بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

Islamic & Intellectual Studies Magazine

(IISM)

اسلامک اور علم ودانش ریسرچ میگزین

شمارہ: جون-جولائی 2024، ذی الحج/ محرم 1445, 1446

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ (٢٧) لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ (٢٨) ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ [الحج: ٢٧-٢٩]

”لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔ لوگ تمہارے پاس چلے آئیں گے پیدل بھی اور دبلی پتلی اونٹنیوں پر بھی جو دور دراز راستوں سے پہنچتی ہوں گی۔ تاکہ اپنے فائدے کے کاموں کے لیے حاضر ہوں اور مقررہ دنوں میں مویشیوں پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیں جو اللہ نے ان کو عطا کیے ہیں۔ اس میں سے تم بھی کھاؤ اور فقیر و مسکین کو بھی کھلاؤ۔ پھر چاہیے کہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں اور نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔“

www.mubashirnazir.org

Islamic & Intellectual Studies Magazine

(IISM)

اسلامک اور علم و دانش ریسرچ میگزین

آج جدید دور نے دین و دنیا سے متعلق مختلف سوالات پیدا کر دیے ہیں۔ کہیں الحاد کا دور دورہ ہے تو کہیں خود ساختہ ادیان رائج ہیں۔ اِن حالات میں دین کی بلا تعصب، غیر جانبدارانہ اور قران و سنت کی روشنی میں درست ترجمانی ناگزیر ہے۔ اسی مقصد کے لیے اسلامک اور علم و دانش ریسرچ میگزین (Islamic and Intellectual studies Magazine) کا اجراء کیا گیا ہے، تاکہ دورِ جدید میں مختلف موضوعات سے متعلق دین کا صحیح نقطۂ نظر بلا کم و کاست قارئین تک پہنچایا جاسکے۔ اِس میگزین میں ایمان و اخلاق کی دعوت، تعمیر سیرت، اللہ اور آخرت کی معرفت، تاریخ، سوشل سائنسز اور دورِ حاضر کے تمام گمراہ کن نظریات کو پہچان کر ان سے بچنے کے حوالے سے موضوعات زیرِ بحث آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سارے معاملے میں ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین

مجلس تحریر

محمد مبشر نذیر، رفعت نواب مصعب، محمد ثوبان

ڈاکٹر محمد عقیل، ڈاکٹر شکیل عاصم، حافظ محمد شارق

محمد عرفان، ڈاکٹر ظہور احمد دانش، جاوید رشید، محمد رضوان

عمر خطاب، محمد رضوان، شاہ فیصل ناصر، عبد الباسط

سلمان رضوان، طلحہ خضر، ڈاکٹر سید بلال ارمان

سر پرستِ اعلی: محمد مبشر نذیر

مدیر: رفعت نواب مصعب

نائب مدیر: محمد ثوبان

نوٹ: مدیر کا مراسلہ نگار سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

آفیشل ویب سائٹ: www.mubashirnazir.org

رابطہ کرنے، تحریریں، آراء اور سوالات بھیجنے کے لئے

Mubashirnazir100@gmail.com , refatnawab@gmail.com

فہرست مضامین

اسلامک اور علم و دانش ریسرچ میگزین

1	اپنی شخصیت اور کردار کی تعمیر کیسے کی جائے؟ پارٹ 2	محمد مبشر نذیر	3
2	حج، عمرہ اور قربانی	مفتی محمد شکیل عاصم	12
3	تفسیر القرآن بالرائے	ڈاکٹر رفعت نواب مصعب	20
4	بچوں کو عبادت گذار بنائیں	ڈاکٹر ظہور احمد دانش	38
5	مطالعہءِ حدیث شرح مشکاۃ المصابیح: (حدیث نمبر 85-72)	وحید الدین خان	41
6	سلسلہءِ سوال وجواب 1. اصولی اور فروعی مسائل میں کیا فرق ہے؟ 2. بلی، کتے اور چڑیوں کی خرید و فروخت کے متعلق سوالات 3. جو اس دنیا میں اندھا ہے کیا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی ہو گا؟ 4. جادو اور جادوگروں کے متعلق سوالات 5. شرعی پردے اور جوائنٹ فیملی سسٹم کے متعلق سوالات	محمد مبشر نذیر	49 49 50 50 51 52
7	تعلیمی و تربیتی کورسز کے ویب لنکس		55

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد مبشر نذیر

اپنی شخصیت اور کردار کی تعمیر کیسے کی جائے؟ (پارٹ-2)

فطری رجحان (Aptitude)

انسان میں کسی کام کا فطری رجحان پایا جاتا ہے۔ اس فطری رجحان کو دبانے سے بہت سے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں والدین بالعموم بچوں کے رجحانات کو دبا کر اس پر اپنے ذاتی رجحانات مسلط کرتے ہیں۔ اس صورت میں بچہ اپنے رجحان کی تکمیل کے لئے غیر اخلاقی طریقے بھی اختیار کر لیتا ہے۔ اس کی ایک بڑی مثال جنس کے بارے میں ہمارا رویہ ہے۔

ہر انسان میں جنس مخالف کی طرف ایک فطری رجحان پایا جاتا ہے۔ اس کا سیدھا سادہ اور اخلاقی حل یہ ہے کہ بچہ جیسے ہی بلوغت کی منزل طے کرے، اس کی جلد سے جلد شادی کر دی جائے تا کہ وہ اپنی خواہش کو فطری طور پر پورا کر سکے۔ ہمارے قدیم معاشرے میں ایسا ہی ہوتا تھا جس کے نتیجے میں جنسی مسائل بہت کم پیدا ہوا کرتے تھے۔ ہمارے یہاں معاشرتی نظام کو کچھ ایسا بنا دیا گیا ہے کہ شادی مشکل سے مشکل ترین ہوتی جا رہی ہے اور جنسی تسکین کے ناجائز طریقے آسان سے آسان ہوتے جا رہے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ میڈیا صنفی خواہشات کو زیادہ سے زیادہ ابھارنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے معاشروں میں جنسی بے راہ روی پھیلتی جا رہی ہے۔ اس مسئلے پر ریحان احمد یوسفی صاحب نے اپنی تحریر ''یہ نعمت مصیبت کیوں بن گئی؟'' میں دلچسپ بحث کی ہے۔

اس کی ایک بڑی مثال تعلیم کے میدان میں سامنے آتی ہے۔ ایک طالب علم جن مضامین کو اختیار کرنا چاہتا ہے، والدین زبردستی اسے اس سے ہٹا کر ڈاکٹر یا انجینئر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ رجحان کے بارے میں والدین کو چاہئے کہ وہ اپنے بچوں کے فطری رجحانات کو نہ دبائیں اور انہیں اپنے شوق کی تسکین کر لینے دیں۔

اس سلسلے میں عملی رکاوٹ یہ ہے کہ بعض اوقات انسان کا رجحان کسی ایسے پیشے کی طرف ہوتا ہے جس میں اسے کوئی بہت اچھا کیریئر ملنے کی توقع نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک شخص کا رجحان ادب اور فلسفے کی طرف بہت زیادہ ہے لیکن اس میں ڈاکٹریٹ کرنے کے بعد بھی اسے کوئی بہت اچھی ملازمت نہیں مل سکتی۔ ایسی صورت میں عملی حل یہ ہے کہ اپنے رجحانات کی ایک لسٹ بنائیے اور اس میں ترجیحات متعین کیجئے۔ اگر آپ کی پہلی ترجیح کوئی بہت اچھا کیریئر نہیں دے سکتی تو پھر دوسری یا تیسری ترجیح اختیار کر لیجئے اور پہلی ترجیح کو اپنا فارغ وقت کا مشغلہ یا شوق بنا لیجئے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ فرض کر لیجئے کہ آپ کا رجحان فلسفہ پڑھنے کی طرف ہے اور آپ کی دلی خواہش یہ ہے کہ اس مضمون کو کم از کم ماسٹرز کی سطح تک ضرور پڑھا جائے۔ پاکستان میں فلسفیوں کو بالعموم کوئی بہت اچھا کیریئر نہیں ملتا۔ آپ کی دوسری ترجیح مارکیٹنگ کے شعبے کی ہے جس میں بالعموم ایک اچھا کیریئر مل جاتا ہے۔ اس صورت میں آپ یہ کر سکتے ہیں کہ پیشے کے طور پر آپ مارکیٹنگ کو اختیار کریں اور فلسفے کو بطور شوق ذاتی طور پر پڑھتے رہیے۔

آپ اپنے رجحان کی تسکین کے اچھے طریقے بھی اختیار کر سکتے ہیں اور برے بھی۔ مثلاً اگر آپ کو لٹریچر پڑھنے کا شوق ہے تو آپ کو مثبت اور تعمیری لٹریچر میں شاہکار قسم کی تصنیفات بھی مل سکتی ہیں، منفی نوعیت کا مایوسی پھیلانے والا لٹریچر بھی مل سکتا ہے اور لچر قسم کا جنسی ناول بھی۔ رجحانات کے بارے میں اس بات کا خیال رکھئے کہ آپ کو ہمیشہ اچھی چیزوں کا انتخاب ہی کرنا چاہئے اور بری چیزوں سے اجتناب کرنا چاہئے۔

تخلیقی صلاحیتیں (Creativity)

تخلیقی صلاحیتوں سے مراد کسی انسان کی وہ صلاحیتیں ہیں جن کی بدولت وہ نئے نئے آئیڈیاز تخلیق کرتا ہے اور ان کی بنیاد پر عملی زندگی میں نئی نئی اختراعات کرتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارا معاشرہ تخلیقی سوچ کی بالعموم حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ ایک ماہر نفسیات کے الفاظ میں، ''ہمارے ہاں اس بچے یا فرد کو پسند کیا جاتا ہے جو فرمانبردار ہے، دوسروں کا ادب کرتا ہے، اپنا کام وقت پر مکمل کرتا ہے، اس کے ہم عصر اسے پسند کرتے ہیں، اور جو دوسروں میں مقبول ہے۔ اس کے مقابلے میں ہم ایسے بچوں کو پسند نہیں کرتے جو بہت زیادہ سوال پوچھتے ہیں، سوچنے اور فیصلہ کرنے میں خود مختار ہوتے ہیں، اپنے عقائد پر ڈٹے رہتے ہیں، کسی کام میں مگن رہتے ہیں اور کسی بااختیار شخص کی بات کو من وعن قبول نہیں کرتے۔ پہلی قسم کے بچے کو ہم ''اچھا بچہ'' کہتے ہیں اور دوسری قسم کے بچے کو ہم بدتمیز یا نافرمان بچہ سمجھتے ہیں۔ ہمارے تعلیمی ماحول میں بھی تخلیقی سوچ کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ اگر ایک بچہ امتحان میں کسی سوال کے جواب میں اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے تو اسے کم نمبر دیے جاتے ہیں۔ ہمارے ٹی وی اور ریڈیو پر ذہنی آزمائش کے پروگرام سوچنے کی صلاحیت کی بجائے یادداشت کی آزمائش کرتے ہیں۔ مذہبی تعلیم میں بھی قرآن کو حفظ کرنے پر زور دیا جاتا ہے لیکن اس کو سمجھ کر روزمرہ زندگی پر اطلاق کرنے کی تربیت نہیں دی جاتی۔ بچوں کو کامیابی حاصل کرنے اور اول آنے کی ترغیب دی جاتی ہے، لیکن علم حاصل کرنے یا نئی باتوں کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ ہم غلطیاں کرنے اور ان کا اقرار کرنے سے گھبراتے ہیں لیکن غلطیوں کے بغیر تخلیقی سوچ ناممکن ہے۔------ ہمارے یہاں اگر کچھ فنکاروں اور ان کی تخلیق کو اہمیت دی جاتی ہے تو اس عمل کو نظر انداز کیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں کوئی تصویر، دھن وغیرہ کی تخلیق ہوئی ہے، یعنی تخلیق کے نتائج کو تو سراہا جاتا ہے لیکن اس محنت اور جدوجہد کو نظر انداز کیا جاتا ہے جسے تخلیقی عمل کہتے ہیں۔'' (رفیق جعفر، نفسیات ص486-487)

تخلیقی سوچ میں تین اہم عناصر ہوتے ہیں: (۱) جدت؛ (۲) کسی مسئلے کو حل کرنے کی صلاحیت؛ اور (۳) کوئی قابل قدر مقصد حاصل کرنے کی صلاحیت۔ جدت سے مراد موجودہ یا روایتی انداز میں پائی جانے والی چیزوں، تصورات وغیرہ کو انفرادی انداز میں آپس میں ملانا یا نئے سرے سے ترتیب دینا ہے۔ دنیا میں جتنے تخلیقی کام کئے گئے ہیں، ان میں پرانی چیزوں یا تصورات کو نئے انداز میں دیکھا گیا ہے۔ مثلاً جب نیوٹن نے سیب کو گرتے ہوئے دیکھا تو یہ عمل نہ تو نیوٹن کے لئے اور نہ ہی کسی اور کے لئے انوکھا واقعہ تھا لیکن نیوٹن نے اس عمل کو ایک خاص انداز میں دیکھا، اسے نئے معنی دیے اور اس طرح کشش ثقل (Gravity) کا قانون دریافت کیا۔ تاہم صرف جدت ہی کسی سوچ یا عمل کو تخلیقی نہیں بنا دیتی بلکہ اس میں مسائل کا حل بھی بہت ضروری ہے۔

تخلیقی صلاحیتیں رکھنے والے افراد کی کچھ ایسی خصوصیات ہوتی ہیں جو انہیں دوسروں سے نمایاں کرتی ہیں۔ ماہرین نفسیات کی تحقیقات کے مطابق یہ لوگ انفرادیت پسند ہوتے ہیں اور روایتی سوچ اور کردار کے مقابلے میں اپنی ذات اور سوچ کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ یہ دوسروں پر کم انحصار کرتے ہیں اور اکثر معاملات میں خود مختار ہوتے ہیں حتی کہ ان کے جاننے والے انہیں ضدی اور سرکش قرار دے دیتے ہیں۔ ان میں عموماً لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنے کا احساس کم ہوتا ہے۔ یہ مستقل مزاج ہوتے ہیں، جس کام میں دلچسپی لیتے ہیں، اسے تندہی سے کرتے ہیں اور ناکامیوں اور مشکلات سے نہیں گھبراتے۔ اگر ان کے ساتھی ان کا ساتھ چھوڑ بھی جائیں تو یہ ثابت قدم رہتے ہیں۔

عام لوگ چیزوں میں سادگی، تسلسل اور ترتیب کو پسند کرتے ہیں، ابہام اور تضاد سے دور بھاگتے ہیں اور خیالات کی توڑ پھوڑ سے گھبراتے ہیں۔ ان کے برعکس تخلیقی افراد کی شخصیت میں بہت لچک ہوتی ہے۔ وہ پیچیدہ، الجھی ہوئی، غیر متوازن اور نامکمل چیزوں میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ نئے نئے خیالات کو ٹٹولنے، انہیں توڑنے مروڑنے اور مختلف حل تلاش کرنے میں لطف محسوس کرتے ہیں۔ وہ تخلیق شدہ چیزوں میں دلچسپی لینے کی بجائے تخلیقی عمل میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ یہ اپنے خیالات میں پائی جانے والی شورش، عدم استحکام، پیچیدگی اور افراتفری سے نہیں گھبراتے۔

یہ اپنی خوبیوں اور خامیوں سے عام لوگوں کی نسبت زیادہ آگاہ ہوتے ہیں۔ یہ دوسروں کے علاوہ خود کو بھی طنز و مزاح کا نشانہ بنانے سے نہیں ڈرتے۔ ان کا گھریلو ماحول بالعموم مثبت ہوتا ہے۔ گھریلو لڑائی جھگڑے بہت کم ہوتے ہیں۔ والدین بچوں کو آزاد ماحول فراہم کرتے ہیں جس میں بچہ خود اپنے تجربات کے ذریعے ماحول سے آگاہی حاصل کرتا ہے۔ یہ جن اداروں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں وہاں ماحول آمرانہ نہیں ہوتا بلکہ سوالات کرنے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ استاد کا تعلق بالعموم ان سے دوستانہ ہوتا ہے اور تخلیقی صلاحیتوں کو نشوونما دی جاتی ہے۔

ان معلومات کی روشنی میں خود میں تخلیقی صلاحیتوں کی نشوونما کے لئے کچھ باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اپنے فکر پر کبھی پہرے نہ بٹھایئے۔ اگر آپ کے ذہن میں کوئی سوال پیدا ہو تو اسے محض شیطانی وسوسہ سمجھ کر نظر انداز نہ کیجئے بلکہ اہل

علم سے اس کا جواب مانگنے کی کوشش کیجئے۔ ذہن میں ایسے خیالات کو موجود رکھنے کی مشق کیجئے جو ایک دوسرے کے متضاد ہوں۔ متضاد، پیچیدہ، الجھی ہوئی اور نامکمل چیزوں اور خیالات سے نہ گھبرایئے۔ اپنے گھر اور اداروں میں ایسا ماحول پیدا کیجئے جو تخلیقی صلاحیتوں کو فروغ دے۔ اپنے اداروں میں ڈسپلن کے نام پر خواہ مخواہ تخلیقی صلاحیتوں کا گلا نہ گھونٹئے بلکہ نئے خیالات کو خوش آمدید کہیے۔

تخلیقی سوچ کو فروغ دینے کے بہت سے طریقے دریافت ہو چکے ہیں۔ ان میں ایک طریقہ برین اسٹارمنگ (Brainstorming) ہے جس میں ایک گروپ کو کسی مسئلے کے زیادہ سے زیادہ حل تجویز کرنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ پہلے مرحلے میں اس بات پر توجہ نہیں دی جاتی کہ کوئی حل اچھا اور قابل عمل ہے یا نہیں۔ اس کے نتیجے میں ہر شخص محض اس خوف سے خاموش نہیں رہتا کہ کہیں اس کا مذاق نہ اڑایا جائے یا اس کے خیال کو مسترد نہ کر دیا جائے۔ اگلے مرحلے پر ان تجاویز کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا جائزہ لے کر ان میں سے اچھی تجاویز کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح گروپ کی صورت میں مختلف آئیڈیاز اور چیزوں پر غور و فکر کر کے کسی اقدام کے فوری اور دوررس نتائج کا اندازہ لگانے، کسی چیز کی وجوہات اور مقاصد پر غور و فکر کرنے، کسی کام کی پلاننگ کرنے، کسی مسئلے کے مختلف ممکنہ پہلوؤں میں کسی ایک کا انتخاب کرنے، متبادل راستے تلاش کرنے، فیصلے کرنے اور دوسروں کے نقطہ ہائے نظر کو سمجھنے سے تخلیقی سوچ نمو پذیر ہوتی ہے۔ آپ بھی اپنے دوستوں کی مدد سے چھوٹے چھوٹے تھنک ٹینک بنا کر یہ کام کر سکتے ہیں۔

تخلیقی سوچ کے ضمن میں اس بات کا بھی خیال رہے کہ بعض لوگ دین کے معاملے میں فکر و عمل کی تمام حدود پھلانگ جاتے ہیں جو کہ درست نہیں جیسا کہ زمانہ قدیم میں فرقہ باطنیہ اور دور جدید میں بعض حلقوں نے دین کے بنیادی تصورات توحید، رسالت، آخرت، نماز، روزہ، حج اور زکوۃ میں کئی ترامیم تجویز کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو دین ہمیں عطا فرمایا ہے، اپنی تخلیقی صلاحیت کو استعمال کر کے اس میں کوئی تبدیلی کرنا بالکل غلط ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دین جس طرح ملا ہے اسے قبول کیجئے۔ دین کے معاملے ہماری تخلیقی صلاحیتوں کے استعمال کا اصل میدان دینی احکامات کو سمجھنا، دین کے فروغ کے لئے نئے نئے راستے تلاش کرنا، اور زندگی میں دین پر عمل کرنے کی راہ میں پیش آنے والی رکاوٹوں سے نمٹنے کے قابل عمل طریق ہائے کار دریافت کرنا ہے۔ اگر ہم دین ہی میں کوئی ترامیم کرنے لگ گئے تو دنیا میں بھی خائب و خاسر ہوں گے اور آخرت میں بھی ناکام و نامراد۔

احساس ذمہ داری

انسان کی شخصیت کا یہ وہ پہلو ہے جو دوسروں کی نظر میں اس کا مقام بنانے میں سب سے زیادہ اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اگر کسی شخص میں لاابالی پن پایا جاتا ہے تو اسے معاشرے میں کوئی مقام حاصل نہیں ہوتا۔ اسے نکما اور نکھٹو سمجھا جاتا ہے۔ جب انسان

کوئی ذمہ داری اپنے سر پر لے لے تو اسے نبھانے کی ہر ممکن کوشش کرنا اس کا فرض ہے۔ بعض ذمہ داریاں ایسی ہوتی ہیں جن کا بوجھ اٹھانے یا نہ اٹھانے کا اسے کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر کسی کے والدین خدانخواستہ فوت ہو جائیں تو چھوٹے بہن بھائیوں کی ذمہ داری اس پر آپڑتی ہے۔ اس معاملے میں انسان کا طرز عمل یہ ہونا چاہئے کہ وہ اس ذمہ داری کو پوری طرح ادا کرنے کی آخری حد تک کوشش کرے اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے۔

دوسری قسم کی ذمہ داریاں وہ ہوتی ہیں، جنہیں اٹھانے کا اختیار انسان کے پاس ہوتا ہے مثلاً ایک شخص کسی بچے کو گود لے کر اس کی پرورش کی ذمہ داری لے سکتا ہے۔ ایسی ذمہ داریوں کو اٹھانے سے پہلے ہر شخص کو اچھی طرح سوچ لینا چاہئے کہ کیا میں اس ذمہ داری کو اٹھانے کا اہل ہوں یا نہیں؟ کیا مستقبل میں میرے حالات میں کوئی ایسی تبدیلی متوقع ہے جس کے نتیجے میں یہ ممکن ہے کہ میں اس ذمہ داری کو پورا نہ کر سکوں؟ ایسی صورت میں انسان کو یہ ذمہ داری اٹھانی ہی نہیں چاہئے۔

بعض اوقات انسان ایک ذمہ داری اٹھا کر دوسرے سے کوئی وعدہ کر لیتا ہے۔ اس معاملے میں ہمارے دین کا یہ حکم ہے کہ وعدے کو ضرور پورا کیا جائے۔ کبھی کبھار ایسی صورتحال بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ حالات کی تبدیلی کے باعث کوئی شخص وعدہ پورا کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے۔ ایسی صورتحال میں اسے چاہئے کہ وہ ان لوگوں کو اس بات کی فوراً اطلاع دے کہ اس مجبوری کی وجہ سے میں یہ ذمہ داری پوری نہیں کر سکوں گا۔ بالکل آخری موقع پر کسی کو جواب دینا اخلاقی اعتبار سے بہت گری ہوئی حرکت ہے۔

اپنی دنیاوی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ ہر شخص کو یہ جان لینا چاہئے کہ اس پر کچھ ذمہ داریاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی عائد ہیں جن کا حساب اسے مرنے کے بعد دینا ہو گا۔ ہر انسان پر یہ لازم ہے کہ وہ ان ذمہ داریوں کو جانے اور انہیں پورا کرنے کی کوشش کرے۔ جو لوگ اس سے غفلت برتتے ہیں، وہ دنیا میں کتنے ہی بڑے ذمہ دار عہدوں پر فائز کیوں نہ ہوں، خدا کے ہاں ان کی کوئی حیثیت نہ ہو گی۔

قوت ارادی اور خود اعتمادی (Confidence)

جو انسان کسی بات کا ارادہ کرے لیکن اسے پورا نہ کر سکے تو یہ کہا جاتا ہے کہ اس میں قوت ارادی اور خود اعتمادی کی کمی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ انسان اپنے ارادوں میں پختہ ہو۔ فیصلہ کرنے میں خواہ کتنا ہی غور و فکر کیا جائے اور کتنا ہی وقت لگایا جائے، لیکن ایک مرتبہ فیصلہ کر کے اس سے پیچھے ہٹنا دوسروں کی نظر میں کسی شخص کے اعتبار (Credibility) کو خراب کر دیتا ہے۔ اسی طرح جس شخص کو اپنے آپ پر اعتماد نہ ہو، دوسرے بھی اس پر اعتماد نہیں کرتے۔

قوت ارادی کو بہتر بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے ذہن کو مشورہ (Suggestion) دیجئے کہ میں یہ کام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ شروع شروع میں اپنے سامنے چھوٹے چھوٹے چیلنج رکھئے جیسے میں تقریر کر سکتا ہوں، میں یہ کھیل کھیل

سکتا ہوں، میں کسی بڑے آفیسر سے پر اعتماد گفتگو کر سکتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ جب آپ ان چیلنجز کے مقابلے میں کامیاب ہوں گے تو آپ کی خود اعتمادی میں اضافہ ہو گا۔ آہستہ آہستہ ان چیلنجز کو بڑا کرتے جایئے۔ کچھ ہی عرصے میں آپ محسوس کریں گے کہ اب آپ میں خاصا اعتماد پیدا ہو چکا ہے۔

خود اعتمادی کے بارے میں ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اسے حد سے زیادہ بھی نہیں ہونا چاہئے۔ بعض لوگ اپنی حقیقی صلاحیتوں کے بارے میں ضرورت سے زیادہ خود اعتماد (Over-Confident) ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ دوسروں سے بڑے بڑے وعدے کر لیتے ہیں اور جب انہیں پورا نہیں کر پاتے تو دوسروں کی نظر میں ان کی شخصیت کا امیج مجروح ہوتا ہے۔ جب آپ میں خود اعتمادی کی کمی ہو، تب تو خود کو اوور کانفی ڈنٹ محسوس کرنے میں حرج نہیں لیکن جب آپ نارمل ہو جائیں تو اپنی صلاحیتوں کا حقیقی تجزیہ کیجئے جس میں صحیح معنوں میں اپنی خوبیوں اور خامیوں کا معائنہ کیجئے اور اس کے مطابق ہی اپنی خود اعتمادی کو ایڈجسٹ کیجئے۔

شجاعت اور بہادری

شجاعت کے دو پہلو ہیں: ایک باطنی اور دوسرے ظاہری۔ اس کا باطنی پہلو یہ ہے کہ کسی شخص میں حقائق اور نتائج کا سامنا کرنے کا ایسا حوصلہ ہو کہ وہ اپنے عزائم کو پورا کرنے میں بزدلی اور مداہنت کا رویہ اختیار نہ کرے۔ جس بات کو وہ حق سمجھے، اس پر ڈٹ جائے اور اس کے بارے میں کسی ملامت کی پرواہ نہ کرے۔ ظاہری پہلو یہ ہے کہ انسان کی شجاعت کے جوہر کھل کر سامنے آئیں اور وہ دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرے۔ کسی انسان میں شجاعت کا باطنی پہلو زیادہ نمایاں ہوتا ہے اور کسی میں ظاہری۔

اگر ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شخصیات کا جائزہ لیں تو سیدنا ابو بکر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کی شجاعت پہلی قسم کی ہے اور سیدنا عمر اور علی رضی اللہ عنہما کی دوسری قسم کی۔ لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی اور منکرین ختم نبوت اور منکرین زکوٰۃ کے مقابلے میں جہاد کے معاملے میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایسے اعتماد کا مظاہرہ کیا جس کی تعریف حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بہادر انسان نے کی۔ اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود پر حملہ آور ہونے والوں کے مقابلے میں انتہا درجے کے ضبط نفس کا مظاہرہ کیا۔

حضرت عمر اور علی رضی اللہ عنہما کی شجاعت تو اتنی واضح ہے کہ وہ کسی بیان کی محتاج نہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو قوت میں یہ فرق پڑا کہ وہ جو نیک کام پہلے چھپ چھپا کر کیا کرتے تھے، اب کھلے عام کرنے لگے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت غزوہ خندق میں کھل کر سامنے آئی جب انہوں نے عمرو بن عبدود جیسے جنگجو کو قتل کیا جو اپنی جنگی مہارت کی بنا پر عرب میں ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا ہے۔ اسی طرح خیبر کے قلعے کی فتح میں آپ کا کردار شجاعت کی تابناک مثال ہے۔ اسی طرح دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شجاعت کے مختلف اوصاف پائے جاتے تھے۔ ان میں سیدنا

زبیر بن عوام، سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا ابو عبیدہ، سیدنا خالد بن ولید، سیدنا عمرو بن عاص، سیدنا سعد بن معاذ، سیدنا اسید بن حضیر، سیدنا سعد بن عبادہ، سیدنا زید بن حارثہ، سیدنا جعفر طیار، سیدنا عبد اللہ بن رواحہ، سیدنا قعقاع بن عمرو، سیدنا عکرمہ بن ابو جہل اور سیدنا عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہم کی شخصیات نمایاں ہیں۔

شجاعت کا متضاد رویہ بزدلی اور نامردی کا ہے۔ چھوٹی چھوٹی سی باتوں پر پریشان ہونا، حقائق کا سامنا کرنے سے گھبرانا، دوسروں سے ڈر ڈر کر اور گھٹ گھٹ کر جینا بزدلی کی نشانیاں ہیں۔ اس سے نجات کا حل یہ ہے کہ اپنی شخصیت میں خود اعتمادی پیدا کیجئے۔ یہی خود اعتمادی اس کی بزدلی کے خاتمے کا سبب بنے گی۔ اس کا عملی طریقہ خود اعتمادی کے تحت بیان کر دیا گیا ہے۔

شجاعت کے باب میں ایک اہم پہلو یہ ہے کہ انسان بہادری کے زعم میں حقیقت پسندی سے دور نہ بھاگے۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی بہادری کی وجہ سے کوئی شخص اپنی صلاحیتوں کا غلط اندازہ (Over-estimate) لگالے اور ایسی قوت سے قبل از وقت ٹکرا جائے جس سے مقابلے کی وہ صلاحیت نہ رکھتا ہو۔ اس کا نتیجہ صرف اور صرف اپنی قوت کی تباہی کی صورت میں نکلتا ہے۔ شجاعت کے زعم میں زمینی حقائق کو نظر انداز کرنا خودکشی کے سوا کچھ نہیں۔ بہادری کا صحیح پہلو یہ ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں کی ممکنہ حد تک حق کا علمبردار بنے اور کلمہ حق کو بلند کرنے کی کوشش کرے۔ اسی وجہ سے ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنے کو افضل ترین جہاد قرار دیا گیا ہے۔ ہمارے انبیاء کرام علیہم السلام اور بزرگان دین علیہم الرحمۃ کی سیرت ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہے جب انہوں نے حق کے کلمے کو بلند کرنے کے لئے شدید مصائب اور ظلم و ستم کو برداشت کیا۔

انصاف پسندی

عدل و انصاف کو ہمارے دین میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ عدل کا معنی یہ ہے کہ حق دار کو اس کا حق دیا جائے۔ دین میں عدل کا تقاضا اس قدر شدت سے کیا گیا ہے کہ اپنے ذاتی یا قومی یا دینی دشمنوں کے بارے میں ناانصافی کا کوئی رویہ بھی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ۔ (المائدہ ۵:۸) ”اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ اور سچائی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ۔ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔ یہ (عدل) تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔“

اس آیت کا سیاق و سباق یہ بتاتا ہے کہ یہاں خاص طور پر اس دشمنی کا تذکرہ ہے جو دین کی بنیاد پر ہو۔ ظاہر ہے یہ دشمنی کی سخت ترین شکل ہے جس میں بھی مسلمانوں کو ناانصافی اور انتہا پسندی سے روکا گیا ہے۔

اگر ہم اپنے رویوں کا جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہو گی کہ قرآن مجید کی واضح رہنمائی کے باوجود ہمارے ہاں انصاف

پسندی کا شدید فقدان ہے۔ عدالتی انصاف کی بات تو جانے دیجئے، اپنی روزمرہ زندگی میں ہم بارہا عدل و انصاف کا خون کرتے ہیں۔ سڑک پر چلتے ہوئے ہم میں سے کتنے دین دار افراد ہی ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کر کے دوسروں کی حق تلفی کرتے ہیں۔ اسی طرح دکاندار چیز کے پیسے تو پورے وصول کرتے ہیں لیکن چیز کے معیار یا مقدار میں کمی کر دیتے ہیں۔ اپنے کاروباری معاملات میں کیش فلو کی حالت کو بہتر بنانے کے لئے معاہدے کے خلاف رقوم کی ادائیگی میں تاخیر عام سی بات ہے جس میں چھوٹے چھوٹے دکانداروں سے لے کر بڑی بڑی کمپنیاں بھی ملوث ہیں۔ ہمارے بہت سے لوگ تعدد ازدواج کی اجازت کے استعمال میں بہت بے باک ہیں لیکن قرآن مجید کے حکم کے مطابق ان میں عدل و انصاف کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بالعموم نئی بیویوں کے نخرے اٹھائے جاتے ہیں اور پرانی بیوی کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جب لوگ قطار میں کھڑے ہوتے ہیں تو بہت سے لوگ ان کی حق تلفی کرتے ہوئے درمیان میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہمیں صرف اور صرف دوسروں کی غلطیاں ہی نظر آتی ہیں اور اپنی غلطیوں سے صرف نظر کرتے ہیں۔ کسی اختلاف بالخصوص دینی مسئلے میں اختلاف کی صورت میں دوسروں کی بات سننا ہمیں گوارا نہیں ہوتا۔ شاید ہم یہ سمجھتے ہیں کہ میں اتفاقاً جس عقیدے اور مسلک میں پیدا ہوا وہی حق ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر ان لوگوں کا کیا قصور ہے جو کسی دوسرے مذہب یا مسلک والوں کے گھر پیدا ہوئے اور اپنے ہی نقطہ نظر کو درست سمجھتے ہیں۔ اگر ہم انہیں غلط سمجھتے ہیں تو ہمیں اپنے آبائی مسلک و عقیدے پر بھی ایک حق کے سچے متلاشی کی حیثیت سے نظر ثانی کر لینا چاہئے۔

ہمارا رویہ بالعموم یہ ہوتا ہے کہ اگر مخالف مسلک کا کوئی شخص تحقیق پر آمادہ ہو اور اس کے لئے ہمارے مسلک کو سمجھنا چاہے تو ہم اسے سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں لیکن اگر ہمارے مسلک سے تعلق رکھنے والا کوئی طالب علم دوسرے مسلک کی کتابوں کا مطالعہ بھی شروع کر دے تو ہم ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ مخالف مسلک کی کوئی کتاب پڑھنا یا ان کے کسی عالم کی بات سننا ہی ہمارے نزدیک گمراہی ہے۔ ابتدا ہی سے ہمارے ذہنوں میں یہ داخل کیا جاتا ہے کہ فلاں مشرک ہے، فلاں بدعتی ہے یا فلاں گستاخ رسول ہے۔ اس کی کوئی بات سننا یا اس کی کتاب پڑھنا ناجائز ہے کیونکہ اس سے گمراہ ہونے کا خطرہ ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک تو دوسرے مسلک کے کسی شخص کو سلام کرنے یا اس سے مصافحہ کرنے سے ہی نکاح فاسد ہو جاتا ہے۔

ہمارا دین عدل و انصاف کا علم بردار ہے اور اسی کا حکم دیتا ہے۔ کیا دنیا کی کوئی عدالت بھی کسی ملزم کی بات سنے بغیر اسے مجرم قرار دے کر سزا سناتی ہے؟ بدقسمتی سے ہمارے عام مسلمان عدل و انصاف کے علم بردار کہلانے کے ساتھ ساتھ دوسرے مسلک کے لوگوں کی بات سنے بغیر ان کے متعلق کفر، شرک، بدعت اور گستاخی رسول کا فتویٰ جاری کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ مخالف مسلک کے کسی شخص کو قتل کر دینا کوئی گناہ ہی سمجھا نہیں جاتا بلکہ عین کار ثواب سمجھا جاتا ہے۔ ایسا کرنے میں کسی مسلک کی تخصیص نہیں بلکہ سب ہی مسالک کے لوگوں میں یہ چیز پائی جاتی ہے۔ اس بات کو سب ہی بھول جاتے ہیں کہ اس طرح وہ عدل و انصاف کا خون کرنے میں مصروف ہیں۔

اگر ہم قرآن مجید پر سچا ایمان رکھتے ہیں تو ہمیں حقیقی معنوں میں حق اور انصاف پسندی کو اپنی شخصیت کا جزو بنانا ہو گا۔ انصاف پر کسی قسم کا کوئی کمپرومائز نہیں ہونا چاہئے۔ جس بات کو ہم حق اور انصاف سمجھتے ہیں، اپنی استطاعت کے مطابق اس پر ڈٹ جانا اور اس کے مقابلے میں کسی ملامت کی پرواہ نہ کرنا وہ رویہ ہے جس کا تقاضا ہم سے دین میں کیا گیا ہے۔ اگر ہم اپنی روزمرہ دینی اور دنیاوی زندگیوں میں ناانصافی کو چھوڑنا شروع کر دیں تو بہت جلد ہماری اجتماعی زندگیوں میں حق اور انصاف کا بول بالا ہو گا اور ہمارے حکمران اور عدالتیں بھی انصاف کے قائم کرنے والے بن جائیں گے لیکن اپنے رویے کی اصلاح کی بجائے اگر ہم حکومت ہی کو کوستے رہے تو حالات ایسے ہی رہیں گے بلکہ اس سے بھی بدتر ہوتے جائیں گے۔

جاری ہے

مفتی محمد شکیل عاصم

حج، عمرہ اور قربانی

حج کا لغوی معنی ''ارادہ کرنے'' کا ہے۔ جبکہ شرعی اصطلاح میں مخصوص وقت میں، مخصوص افعال سر انجام دینے کے لیے بیت اللہ کا قصد کرنے کو حج کہا جاتا ہے۔

حج کی فرضیت و اہمیت

شریعت اسلامیہ میں حج کی بڑی اہمیت وارد ہوئی ہے، یہ اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ.

''لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے، اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔'' (آل عمران 3:97)

گویا جو اس حکم کی نافرمانی کرے گا تو اللہ تعالی نے اس سے بے زاری کا اظہار کیا ہے۔ اور اسی طرح سورۃ البقرۃ میں حج و عمرہ کو پورا کرنے کا حکما کہا ارشاد ربانی ہے:

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ.

''اور آپ لوگ حج و عمرہ اللہ تعالی کے لیے پورا کیجیے۔'' (البقرۃ 2:192)

اور مزید فرمایا:

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ.

''اور انہیں چاہیے کہ وہ بیت اللہ کا طواف کریں۔'' (الحج 22:29)

احادیث میں بھی حج کی بہت زیادہ اہمیت وارد ہوئی ہے، چناچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے؛ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالی کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا (مگر یہ اس کے لیے ہے) جو وہاں پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔'' اور اسی طرح روایات میں یہ بھی ہے کہ حج کرنے سے گناہ انسان گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے کہ گویا اس کی ماں نے اسے آج ہی جنم دیا ہے۔ اور اسی طرح آپ نے فرمایا کہ: ''ایک عمرہ دوسری دفعہ عمرہ کرنے تک کی درمیانی مدت کے لیے کفارہ ہے، اور اسی طرح خالص حج کی جزا جنت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتی۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد ایک ہی حج ادا فرمایا تھا۔

حج کے احکام

حج کرنا کس شخص پر ضروری ہے؟

حج کرنا عاقل، بالغ اور صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک دفعہ فرض ہے۔ صاحبِ استطاعت سے مراد یہ ہے کہ جس کے پاس حج کرنے کی جسمانی اور مالی طاقت ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ.

"اور لوگوں کے ذمے بیت اللہ کا حج کرنا اللہ کا حق ہے، مگر جو اس طرف جانے کی استطاعت پاتا ہو، اور جس نے اس حکم سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ جہان والوں سے بے نیاز ہے۔" (آل عمران 3:97)

حج کن ایام میں کیا جاتا ہے؟

حج 13-8 ذوالحجہ کے درمیان ادا کیا جاتا ہے۔ چونکہ پہلے زمانوں میں سفر میں بہت وقت لگتا تھا، اس وجہ سے دو مہینے اور دس دن یعنی شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ کے دس دنوں (یا ایک قول کے مطابق ذوالحجہ کے پورے مہینہ) کو حج کے مہینے قرار دیا گیا ۔ قرآن مجید میں اس کے لیے "اشہر الحج" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ ذوالقعدہ اور ذوالحجہ تو چار حرام مہینوں (Sacred Months) میں شامل ہیں کہ ان میں ہر قسم کے جنگ و جدال کو ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے علاوہ حرمت والے دو اور مہینے ہیں یعنی محرم اور رجب۔ عربوں کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پابندی ان کے ہاں حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانے (c. 2000BC) سے چلی آ رہی تھی اور دور جاہلیت کے عرب بھی اس کا پورا احترام کیا کرتے تھے۔

حج کا طریقہ کار کیا ہے؟

حج کے طریقہ کار کو "مَنَاسَکِ حج" بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا طریقہ کا یہ ہے:

- حدودِ میقات میں پہنچ کر احرام (بغیر سلی ہوئی، سفید رنگ کی ایک تہہ بند اور ایک چادر) باندھ لیجیے یا اگر پہلے سے باندھی ہوئی ہوں تو میقات کی حدود میں نیت کر لی جائے۔ آج کل ہوائی جہاز کے سفر میں حجاج سوار ہونے سے پہلے ہی احرام باندھ لیتے ہیں اور میقات پر پہنچ کر نیت کر لیتے ہیں۔ جہاز میں حدودِ میقات شروع سے قبل اطلاع دے دی جاتی ہے۔
- حدود میقات شروع ہونے سے تلبیہ پکارنا شروع کر دیجیے۔ تلبیہ کے الفاظ یہ ہیں: لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ۔ لَبَّيْكَ لَا

شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ۔ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ (میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، آپ کا کوئی شریک نہیں، یقیناسب تعریف آپ ہی ہی لیے ہے، ساری نعمتیں آپ ہی کی ہیں، اور ساری بادشاہت آپ ہی کی ہے، آپ کا کوئی شریک نہیں۔)

- پھر مسجد حرام پہنچ کر طواف کیا جائے، اور صفاو مروہ کی سعی کی جائے۔ اس پر حاجی کا عمرہ مکمل ہو جائے گا۔
- اگر حج میں کچھ دن باقی ہوں اور حاجی کی نیت یہ ہو کہ وہ حج اور عمرہ کو الگ الگ احرام سے ادا کرے گا تو اس کا عمرہ مکمل ہو چکا ہے۔ اب وہ احرام کھول سکتا ہے۔ اسے اصطلاح میں "حج تمتع" کہا جاتا ہے۔ اکثر لوگ یہی کرتے ہیں۔
- اگر حاجی کا ارادہ حج اور عمرہ کو ایک ہی احرام میں ادا کرنے کا ہو تو وہ عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام پہنے رہے اور اس کی پابندیوں پر عمل کرتا رہے۔ اسے اصطلاح میں "حج قران" کہتے ہیں۔
- بعض حجاج، بالخصوص سعودی عرب میں رہنے والے صرف حج ادا کرتے ہیں، عمرہ نہیں کرتے۔ ان کے لیے اجازت ہے کہ وہ عمرہ ادا کیے بغیر براہ راست نیچے دیے گئے طریقے کے مطابق حج کر سکتے ہیں۔ اسے "حج افراد" کہتے ہیں۔
- 8 ذوالحجہ حج کا پہلا دن ہے۔ ظہر سے قبل منیٰ کے لیے روانہ ہو جایئے۔ وہاں ظہر، عصر، مغرب، عشا ادا کریں۔ اور رات یہاں ہی قیام کیا جائے گا۔ اب حج کا دوسرا دن (9 ذوالحجہ) شروع ہو گیا ہے۔ نماز فجر بھی منیٰ میں ہی ادا کی جائے گی۔
- اس کے بعد آپ میدان عرفات کے لیے روانہ ہو جایئے، یہاں نمازِ ظہر و عصر ادا کرنے کے بعد سورج غروب ہونے تک آپ یہیں قیام کریں گے مگر نمازِ مغرب ادا نہ کیجیے۔
- سورج غروب ہونے کے بعد مزدلفہ جایئے اور مغرب و عشا وہاں اکٹھی پڑھیے اور رات یہیں قیام کیجیے۔
- حج کے تیسرے دن (10 ذوالحجہ) کو سورج نکلنے کے بعد منیٰ واپس جایئے اور یہاں جمرۃ العقبی (بڑے شیطان) کو کنکریاں ماریے (اسے اصطلاح میں "رمی" کرنا کہا جاتا ہے)، قربانی کیجیے، اور اس کے بعد سر منڈوا کر یا بال کٹوا کر احرام کھول دیجیے۔
- اب آپ مکہ مکرم جا کر خانہ کعبہ کا طواف کر لیجیے جو کہ "طواف افاضہ" کہلاتا ہے۔ اگر 8 ذوالحجہ کو صفاو مروہ کی سعی نہ کی جا سکی ہو تو اب کر لیجیے۔ یہ طواف 10, 11, 12 ذوالحجہ میں سے کسی بھی دن کیا جا سکتا ہے۔
- طواف کر کے منیٰ واپس آیئے۔ یہاں تینوں جمرات کو بالترتیب سات سات کنکریاں ماریے۔ 10, 11, 12 ذوالحجہ کے ایام منیٰ ہی میں گزاریے اور روزانہ تینوں جمرات کو کنکریں ماریے۔

- 12 ذوالحجہ کو تینوں جمرات کو کنکریاں ماریے اور سورج غروب ہونے سے قبل مکہ مکرمہ تشریف لے جایئے۔ اگر آپ چاہیں تو 13 ذوالحجہ کو بھی منیٰ میں رک سکتے ہیں اور بہتر عمل یہی ہے۔
- اس کے بعد الوداعی طواف کیجیے۔ اس پر حج مکمل ہو جائے گا۔

عمرہ

عمرہ کرنے کا کیا طریقہ کار ہے؟

عمرہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ میقات سے احرام باندھ کر عمرے کی نیت کی جائے۔ طواف بیت اللہ کرنے کے بعد سعی صفا مروہ کی جائے۔ اور اس کے بعد سر کے بال منڈوا دیئے جائیں یا کٹوا دیے جائیں۔ عورت سر سے تھوڑے سے بال کاٹ لے تو یہی کافی ہے۔ عمرہ سارا سال کیا جا سکتا ہے۔

حالتِ احرام میں کون کون سے کام کرنا حرام ہیں؟

احرام خواہ حج کا ہو یا عمرہ کا، شریعت اسلامیہ نے حالت احرام میں کچھ کرنے پر پابندی عائد کی ہے۔ ان میں سے کچھ تو عام حالت میں بھی حرام ہیں مگر اس حالت میں ان کی شناعت مزید بڑھ جاتی ہے، اور کچھ کام عام حالت میں تو درست اور جائز ہیں مگر اس حالت میں ان کو کرنے سے منع کیا گیا ہے:

- لڑائی جھگڑا کرنا۔
- جھوٹ بولنا۔
- کسی پر تہمت لگانا۔
- کسی کو گالی دینا یا فحش باتیں کرنا۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومٰتٌ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلاَ رَفَثَ وَلاَ فُسُوقَ وَلاَ جِدَالَ فِي الْحَجِّ.

"حج کے مہینے سب کو معلوم ہیں جو شخص ان مقرر مہینوں میں حج کی نیت کرے، اُسے خبردار رہنا چاہیے کہ حج کے دوران اس سے کوئی شہوانی فعل، کوئی فسق و فجور، کوئی لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو۔" (البقرۃ 2:197)

- خشکی کے جانوروں کا شکار کرنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوْا لاَ تَقْتُلُوْا الصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ وَمَن قَتَلَه مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ.

"اے اہل ایمان! احرام کی حالت میں شکار نہ مارے، اور اگر آپ میں سے کوئی جان بوجھ کر ایسا کر گزرے تو جو جانور اس نے مارا ہو اُسی کے ہم پلہ ایک جانور اُسے مویشیوں میں سے نذر دینا ہو گا۔" (المائدۃ 5:95)

- جسم کے بال کٹوانا۔ کیونکہ ارشاد باری تعالی ہے:

وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُوسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّه.

"اور اپنے سر نہ مونڈو جب تک کہ قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے۔" (البقرۃ 2:196)

- ناخن کاٹنا۔
- خوشبو لگانا۔
- موزے یا ایسے جوتے پہننا جو ٹخنوں سے کو ڈھک لیں۔
- سلے ہوئے کپڑے پہننا۔
- مرد کے لیے سر ڈھانپنا۔
- درخت کی ڈالی توڑنا۔

اگر کسی خاتون کے حج کے دوران ایام مخصوصہ شروع ہو جائیں تو وہ کیا کرے گی؟

اگر حج کے دوران کسی خاتون کے ایام مخصوصہ (Menses) شروع ہو جائیں تو وہ مناسک حج ادا کرتی رہے گی البتہ وہ طواف بیت اللہ نہیں کرے گی۔ کیونکہ طواف کو احادیث مبارکہ میں نماز کی طرح ہی قرار دیا گیا ہے (اسی تو اس میں وضو کی شرط ہے اور وضو ٹوٹ جانے کی صورت میں نماز کی طرح طواف دوبارہ کرنا ہو گا۔) اور طواف رہ جانے کی صورت میں وہ حج کے اختتام پر مکمل کرے گی۔ یا اگر وہ مینسز کو روکنے والی ادویات بھی استعمال کرنا چاہتی ہے تو علما اس کی اجازت بھی دے رہے ہیں۔

حج کیوں فرض کیا گیا ہے؟

حج کے بہت سارے روحانی اور اخلاقی فوائد ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے:

لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ.

"تاکہ وہ دیکھ لیں ان فوائد کو جو ان کے لیے اس میں رکھے گئے ہیں۔" (الحج 22:28)

حج مسلمانوں کو عملی زندگی میں متفق و متحد رکھنے کی عملی پریکٹس ہے، وہ اس طرح کہ مناسکِ حج میں ایسی حکمت کارفرما نظر آتی ہے کہ جس سے نسلی، لسانی، قومی امتیازات کا خاتمہ ہوتا ہے؛ لباس ایک، رب تعالی کو پکارنے کے لیے زبان ایک،

احکام کا اطلاق سب پر بلا امتیاز۔ اسی طرح جو اخلاقی برائیاں عموماً فساد کا باعث بنتی ہیں ان سے اس دورانیے میں خصوصی طور پر منع کر دیا گیا۔ بیت اللہ کا طواف گویا ہمیں یہ سکھا رہا کہ تمہارا محور ایک ہونا چاہیے۔ حج مؤمن کے ایمان میں اضافہ کا باعث ہے۔ وہ ان لمحات میں محسوس کرتا ہے کہ گویا وہ رب تعالی سے براہ راست ملاقات کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ حج سے معاشی فوائد کے حصول کی منصوبہ بندی کی جاسکتی ہے کیونکہ لوگوں کا بہت بڑا ہجوم یہاں جمع ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ امت مسلمہ کا عالمی اجتماع ہوتا ہے جو انہیں ایک ہی محور و مرکز سے وابستہ رکھتا ہے۔

قربانی

قربانی کے لیے عربی زبان میں لفظ "أُضْحِيَةٌ" بولا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے عیدِ قربان کو عید الأضحی کہا جاتا ہے۔ اصطلاح میں اس سے مراد شریعت کے بتلائے گئے جانوروں میں سے کسی کو عید الأضحی کے دن عید کے سبب سے، باری تعالی کا تقرب چاہتے ہوئے ذبح کرنا ہے۔ رب تعالی کا ارشاد گرامی ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ.

"آپ اللہ تعالی کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے۔" (الکوثر 2:108)

اور اسی طرح فرمایا:

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

"فرمادیجئے! میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔" (الأنعام 6:162)

قربانی بھی شرائع سابقہ میں سے کیونکہ یہ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

کیا قربانی کرنا ضروری ہے؟

اکثر علما کا موقف ہے کہ قربانی کرنا واجب نہیں بلکہ سنتِ مؤکدہ ہے جبکہ فقہ حنفی کے نزدیک یہ واجب ہے۔ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے مروی ہے کہ وہ اس ڈر سے قربانی نہیں کیا کرتے تھے کہ کہیں یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ ضروری ہے۔ اور اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: "میں خوش حال ہونے کے باوجود قربانی اس لیے چھوڑ رہا ہوں کہ کہیں لوگ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ یہ لازم وضروری ہے۔"

قربانی کس وقت کی جائے گی؟

قربانی عید کی نماز کے بعد کی جائے گی۔ عید نماز سے قبل قربانی کرنے سے انسان قربانی کے ثواب سے محروم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''جس نے نماز (عید) سے قبل جانور کو ذبح کر دیا تو اس نے اپنے اہل خانہ کو گوشت تو کھلا دیا مگر قربانی (کے ثواب) سے اسے کچھ بھی حاصل نہیں ہو گا۔''

ذبح کرنے سے پہلے کیا پڑھنا چاہیے؟

قربانی کرنے سے پہلے یہ الفاظ پڑھنے چاہییں:

بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ. ''میں اس جانور کو اللہ تعالی کا نام لے کر ذبح کرتا ہوں۔ جس کی شان یہ کہ وہ سب سے بڑا ہے۔''

ایک جانور کتنے افراد کو کفایت کرے گا؟

عید الأضحی کے موقع پر قربان کیا جانے والا ایک بکری یا مینڈھا اھل خانہ کو کفایت کرتا ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اپنی اور اپنے اہل وعیال کی طرف سے ایک بکری ذبح کرتا جو سارے گھر والے کھاتے اور دوسروں کو کھلاتے۔ جبکہ گائے میں زیادہ سے زیادہ سات اور اونٹ میں زیادہ سے زیادہ دس افراد شریک ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ''ایک دفعہ ہم سفر میں تھے اور عید کا دن بھی سفر میں ہی آ گیا۔ تو ہم نے گائے کے سات جبکہ اونٹ کے دس حصوں میں شریک ہوئے۔''

کیا قربانی کا گوشت ذخیرہ کیا جا سکتا ہے؟

قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے کے ساتھ دوسروں کو بھی اس میں شریک کرنا چاہیے، کیونکہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے کہ: ''کھائیے، دوسروں کو کھلائیے اور ذخیرہ بھی کر لیجیے۔' تاہم اگر کوئی ایمر جنسی ہو جیسے سیلاب یا قحط کی صورتحال ہو اور لوگوں کو خوراک میسر نہ ہو تو پھر گوشت کو ذخیرہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے کہ جس کے مطابق کچھ قحط زدہ لوگ مدینہ میں آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ قربانی کے گوشت کو ذخیرہ کرنے سے منع فرمایا۔ اس کا مقصد ہی یہ تھا کہ ان قحط زدہ لوگوں کی مدد کی جائے۔

قربانی کی شرائط کیا ہیں؟

قربانی کی شرائط ذیل میں ہیں:

1. نیت: جس طرح دیگر کاموں میں اخلاص شرط اول ہے۔ بعینہ قربانی میں بھی یہی معاملہ ہے۔ اللہ تعالی نے قربانی کا خصوصی طور پر تذکرہ کر کے فرمایا:

لَن يَنَالَ اللهَ لُحُومُهَا وَلاَ دِمَاؤُهَا وَلَكِن يَنَالُهُ التَّقْوَى مِنكُمْ.

"نہ اُن کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں نہ خون، مگر انہیں آپ کا تقویٰ پہنچتا ہے۔"(الحج22:37)

2. جانور کی جنس: جانور وہی قربان کیا جائے گا جس کی شریعت نے وضاحت کر دی ہے، یعنی اونٹ، بکری، بھیڑ اور گائے۔ کیونکہ شریعت کے نزول کے وقت ان جانوروں کے علاوہ بھی حلال جانور موجود تھے مگر ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا، اس لیے قربانی انہی جانوروں کی جائے گی۔
3. قربانی والے جانور کی عمر: شریعت اسلامیہ نے قربانی والے جانوروں کی عمر کے حوالے سے بھی وضاحت کی ہے کہ یہ جانور دو دانتے ہوں۔ اور اونٹ عموماً چھٹے سال میں، گائے تیسرے اور بکری، بھیڑ اور دنبہ دوسرے سال میں داخل ہو جائیں تو دو دانتے ہو جاتے ہیں۔ اور اکثر علماء کہتے ہیں کہ دنبہ یا مینڈھا جب چھ ماہ کا ہو تو اس کی قربانی کرنا جائز ہے۔
4. جانور عیوب سے پاک ہو: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: "چار قسم کے جانور قربان نہیں کیے جاسکتے؛ جو نمایاں طور پر کانا، مریض، لنگڑا اور ٹانگ ٹوٹا ہوا ہو بغیر گودے والا ہو۔"

قربانی کیوں کی جاتی ہے؟

قربانی اصل میں ابراہیم اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہما الصلوۃ السلام کی یاد ہے، کہ جنہوں نے اطاعت خداوندی میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگانا گوارا کیا۔ گویا جانور کی قربانی ہمیں یاد دلا رہی ہوتی ہے کہ اطاعت الٰہی میں اپنا تن من دھن بھی قربان کرنا پڑے تو اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ قربانی کر کے انسان اپنے رب سے کہہ رہا ہوتا ہے کہ اے اللہ! آپ کا حکم ہو تو میں یہ جانور تو کیا اپنے آپ کو قربان کر دوں۔ اس جذبے کے ساتھ ساتھ اپنی خواہشات اور اسلام مخالف رسوم و رواج کو ہمیں اللہ تعالی کی محبت میں قربان کر دینا چاہیے۔ قربانی ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور ایثار کا پیغام بھی دیتی ہے۔

رفعت نواب مصعب

تفسیر القرآن بالرآی

انسان کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی ظاہری و باطنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان بے شمار نعمتوں میں سے عقل ایک بڑی اور اہم نعمت ہے۔ بلکہ یہی وہ بنیادی جوہر اور عظیم عطیہ ءِ ربّانی ہے، جس کی بدولت انسان دیگر حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے۔

قرآن مجید اپنی آیات مبارکہ میں غور و فکر اور عقل واجتہاد کو نہ صرف جائز قرار دیتا ہے، بلکہ اس کی بھرپور ترغیب دیتا ہے۔ جس طرح "آیات کونیہ" میں غور و فکر اور تحقیق سے اسرار فطرت آشکارا ہوتے ہیں۔ اسی طرح آیات قرآنیہ میں تدبر و تفکر سے شریعت اسلامیہ اور کلام الہیٰ کے معارف و دقائق منکشف ہوتے ہیں۔

اس باب میں "**تفسیربالرأی المحمود**" کے معنی و مفہوم اور شروط وآداب پر بحث کی جائے گی۔ اس کی جائز و ناجائز حدود کا تعین کیا جائے گا۔ رائے مذموم کے درمیان حد فاصل واضح کی جائے گی۔ نیز یہ بیان کیا جائے گا کہ تفسیر قرآن میں عقل واجتہاد کے لیے کیا شروط و آداب ہیں؟

ثانیا: **تفسیربالرأی المذموم** پر تحقیق پیش کی جائے گی۔ اور یہ واضح کیا جائے گا کہ تفسیرِ قرآن میں رائے کا غلط استعمال کیوں کیا جاتا ہے؟ اس کے اسباب و عوامل کیا ہوتے ہیں؟ اور ایسی تفسیر کو پہچاننے کی علامات کیا ہیں؟

رائے کا لغوی مفہوم

لغوی طور پر "الرأی" باب رأی یری سے مصدر اور حاصلِ مصدر ہے۔ اس باب سے چھے مصادر عربی زبان میں مستعمل ہیں۔[1]

1۔ رَأْیٌ	2۔ رُؤْیَۃٌ	3۔ رِءْیَۃٌ
4۔ رَاءَۃٌ	5۔ رَأْیَۃٌ	6۔ رِئْیَانٌ

اس کی جمع کے لیے بھی چھے اوزان مستعمل ہیں:[2]

1۔ آرَاءٌ	2۔ أَرْءَاءٌ	3۔ أَرْیٌ
4۔ رُیٌّ	5۔ رِیٌّ	6۔ رَئِیٌّ

امام لغت فیروز آبادی لکھتے ہیں: **الرُّؤْیَۃُ: النَّظَرُ بالعَیْنِ وبالقَلْبِ** "(آنکھ اور دل سے کسی چیز کو دیکھنا رؤیت کہلاتا ہے۔)[3]

1 القاموس المحیط، فیروز آبادی
2 ایضاً
3 ایضاً

یعنی ظاہری مشاہدہ کے لیے بھی لفظ "رؤیت" مستعمل ہے اور قلبی مشاہدہ کے لیے بھی۔

نیز لکھتے ہیں-" والرَّأْيُ: الاعْتقادُ "عقیدہ و نظریہ کو رائے کہتے ہیں۔[4]

خواب میں کسی چیز کے مشاہدے کو "رؤیا "کہتے ہیں، جس میں انسان اپنے چہرے کا مشاہدہ کرے اسے مِرءَاةٌ (آئینہ) کہتے ہیں۔[5]

گویا لغوی طور پر رائے میں مندرجہ ذیل معانی مضمر ہیں:

1۔مشاہدہ2 2۔غور و فکر 3۔ نظریہ وعقیدہ

رائے کا اصطلاحی مفہوم

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

"ھو اعتقاد النفس احد النقیضین عن غلبۃ الظن" 6

(دو متناقض چیزوں میں غور و فکر کرنے کے بعد غلبہ ظن کی بنیاد پر جب نفسِ انسانی میں کوئی نظریہ قائم ہو جائے تو اسے رائے کہتے ہیں)

ابن القیم لکھتے ہیں:

"مایراہ القلب بعد فکر و تأمل، طلباً لمعرفۃ وجہ الصواب مما تتعارض فیہ الأمارات"

متناقض (متضاد) علامات والی اشیا میں صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لیے غور و فکر کرنے کے بعد دل میں جو بات آجائے اسے رائے کہتے ہیں۔

۞ عقل واجتہاد اور غور و فکر کے ذریعے سے مطالب قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرنا اور انہیں واضح کرنا تفسیر بالرأی ہے۔

تفسیر بالرأی کی اقسام

ماہرین علوم القرآن اس بات پر تقریباً متفق نظر آتے ہیں کہ تفسیر بالرأی کی دو اقسام ہیں:

1۔تفسیر بالرأی المحمود 2۔تفسیر بالرأی المذموم

4 ایضاً
5 ایضاً
6 المفردات ۳۲۰/۱

اگر تفسیری آراءواجتہادات کتاب و سنت، آثارِ سلف، کلامِ عرب کے اسالیب اور تفسیر بالرأی کے لیے طے کردہ شروط و آداب کے موافق ہوں تو یہ تفسیر بالرأی المحمود ہے اور اگر تفسیر کتاب و سنت، آثارِ سلف، قوانینِ لغت اور شروط وآداب کے منافی ہو تو یہ تفسیر بالرأی المذموم ہے۔اس کے منع و حرام ہونے پر فقہا کا اجماع ہے۔

فہم قرآن میں عقل واجتہاد کی ضرورت واہمیت

1۔ قرآن مجید غور و فکر کی دعوت پیش کرتا ہے

قرآن مجید جہاں تمام انسانوں کے لیے صحیفۂ رشد وہدایت اور دستورِ زندگی ہے،وہاں مضامین و معانی اوراسرار و حکم کا بحر زخار بھی ہے، جس طرح قدرت کی بنائی ہوئی تمام چیزوں میں غور و فکر کرنے سے جدید انکشافات اور نت نئے منافع وفوائد حاصل ہوتے رہتے ہیں،اور ایک سے ایک پرت کھلتی رہتی ہیں۔اس طرح قرآن مجید میں غور و فکر کرنے سے بھی نئے حقائق معلوم ہوتے رہیں گے،زمانہ علم و عقل کی خواہ کسی بھی معراج تک پہنچ جائے، مگر قرآن مجید ہر مقامِ معراج پر زندگی کے نئے پیدا شدہ مسائل کی عقدہ کشائی کرتا رہے گا۔یہی وجہ ہے خود قرآن مجید اپنی آیات میں غور و فکراور عقل و اجتہاد کو نہ صرف جائز قرار دیتا ہے۔بلکہ اس کی تائید کرتا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ص:۲۹)

یہ ایک بابرکت کتاب ہے جو ہم نے،(اے پیغمبر)، تمہاری طرف نازل کی ہے۔اس لیے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور اس لیے کہ عقل والے اس سے یاددہانی حاصل کریں۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (محمد:۲۴)

کیا وہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے، یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں؟

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۔ ۴۴ النحل

اور (اے پیغمبر) ہم نے تم پر یہ قرآن اس لیے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے ان باتوں کی واضح تشریح کر دو جو ان کے لیے اتاری گئی ہیں اور تاکہ وہ غور و فکر سے کام لیں۔

2۔ احادیثِ رسول قرآن مجید میں غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں

نبی ﷺ قرآن مجید میں غور فکر کے لیے صحابہ کو مؤثر الفاظ میں شوق دلایا کرتے تھے مثلاً آپ نے فرمایا:

مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ تَعَالَى، يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ، إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ[7]

جولوگ کسی جگہ جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے ہیں اور باہم مذاکرۂ قرآن کی مجالس قائم کرتے ہیں۔ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسکین اور رحمت اترتی ہے، ملائکہ ان کو ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے مقربین کے سامنے ان کا تذکرہ فرماتا ہے۔

3۔ صحابہ قرآن مجید میں عقل واجتہاد اور تدبر سے کام لیتے تھے

صحابہ کرام نے جہاں اپنی زندگیوں کو قرآن کی روشنی میں سنوارا اور نبی ﷺ کی تعلیم وتربیت میں تزکیہ وتطہیر کی منزلیں طے کیں۔وہاں وہ فہم قرآن اور تدبر فی القرآن میں بھی کوشاں رہتے۔

قرآن مجید فصیح عربی زبان میں نازل کیا گیا۔صحابہ کرام کی زبان بھی عربی تھی،وہ اس کی فصاحت وبلاغت کے رموز سے آشنا تھے۔جن حالات وواقعات میں نزول قرآن ہوا،اس سے بھی بخوبی آگاہ تھے، جن نظریات وعقائد اور اعمال وافعال پر قرآن نے بحث کی وہ زیادہ تر ان کے اپنے تھے،ان کی قوم کے تھے یا ان کی اپنی تاریخ میں گزشتہ اقوام کے تھے،یہود ونصاریٰ کے عقائد واطوار کی طرف قرآن نے جو اشارے کیے،ان سے بھی وہ گوناگوں تعلقات کی بنا پر آگاہ تھے۔

لیکن اس کے باوجود وہ برسوں قرآن حکیم پر غور وفکر اور تدبر کرتے تھے۔

أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ، مَكَثَ عَلَى سُورَةِ الْبَقَرَةِ، ثَمَانِيَ سِنِينَ يَتَعَلَّمُهَا[8]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مسلسل آٹھ برس تک سورۃ البقرہ پر تدبر فرماتے رہے۔

ظاہر ہے یہ اس لیے تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ قرآن میں تبحر حاصل کریں،اسبابِ نزول اور احکام میں نئے نئے استخراج کریں۔

4۔ تابعین اور تفسیر قرآن میں عقل واجتہاد

صحابہ کرام کے حلقاتِ دروس سے استفادہ کرنے والے تابعینِ عظام بھی تفسیرِ قرآن میں خوب تحقیق اور عقل واجتہاد سے کام لیتے۔

1۔اس بارے امام مجاہد سب سے آگے بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں،بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ امام مجاہد نے تفسیر بالمأثور میں عقل واجتہاد کا دروازہ کھولا۔[9] نہ صرف وہ خود رائے اور اجتہاد سے کام لیتے بلکہ اس کی ترغیب بھی دیتے۔ان کا معروف قول ہے:

"افضل العبادة الرأی الحسن" (اچھے طریقے سے غور وفکر بہترین عبادت ہے)[10]

---

7 سنن أبي داود - كتاب الصلاة - باب في ثواب قراءة القرآن، رقم الحديث 1455
8 موطأ الإمام مالك - كتاب القرآن - ما جاء في القرآن، رقم الحديث: 695
9 تفسير التابعين، الخضيرى 133/1
10 تاويل مختلف الحديث ، ابن قتيبه، ص 69

اس اجتہادی توسُّع کی بناپر ان سے بعض عجیب وغریب اقوال منقول ہیں جن پر ائمہ نے مواخذہ بھی کیاہے۔امام ذہبی لکھتے ہیں:

وَلِمُجَاهِدٍ أَقْوَالٌ وَغَرَائِبُ فِي العِلْمِ وَالتَّفْسِيرِ تُسْتَنْكَرُ [11]

علم وتفسیر میں مجاہد کے بعض اقوال وتفردات منکر سمجھے جاتے ہیں۔

بلکہ امام مجاہد کے ان تفردات سے بعض گمراہ فرقے دلائل پکڑتے ہیں۔

2۔عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دوسرے شاگرد عکرمہ بھی تفسیر بالرائے سے کام لیتے تھے،بلکہ اس قدر وغوروفکر سے کام لیتے تھے کہ فرمایا کرتے۔

أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ قَالَ: قَالَ عِكْرِمَةُ: إِنِّي لَأَخْرُجُ إِلَى السُّوقِ فَأَسْمَعُ الرَّجُلَ يَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ فَيَنْفَتِحُ لِي خَمْسُونَ بَابًا مِنَ الْعِلْمِ. 12

میں بازار جارہاہوتاہوں،کسی شخص سے ایک بات سنتاہوں تومیرے لیے علم کی پچاس راہیں کشادہ ہوجاتی ہیں۔

البتہ ان کی بعض آرااور تفردات ائمہ کی نزدیک قابلِ موآخذہ ہیں۔[13]

3۔ابن تیمیہ تابعین کے بارے میں لکھتے ہیں۔

والمقصود أن التابعين تلقوا التفسير عن الصحابة، كما تلقوا عنهم علم السنة، وإن كانوا قد يتكلمون في بعض ذلك بالاستنباط والاستدلال، كما يتكلمون في بعض السنن بالاستنباط والاستدلال.[14]

الغرض تابعین نے حدیث کی طرح تفسیر بھی صحابہ سے سیکھی،اگرچہ احکام ومسائل میں استنباط واستدلال کی طرح،تابعین تفسیر میں بھی بعض اوقات استنباط واستدلال سے کام لیتے تھے۔

غوروفکراور عقل واجتہاد کی مذکورہ بالااہمیت کے باوجود تفسیر قرآن میں رائے کے استعمال کی مذمت بھی کی گئی۔اس بارے میں بھی احادیث وآثاراورائمہ کے اقوال جابجابکھرے پڑے ہیں۔

احادیث میں رائے کی مذمت

1۔عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہمارواہت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»15

11 سير أعلام النبلاء، 455/4

12 الطبقات الكبرى، ابن سعد 220/5، تذكرة الحفاظ، الذهبى 74/1

13 الجرح والتعديل، رازى 7/9، هدى الساري ، ابن حجر ص 427

14 مقدمة فى اصول التفسير ص 10،11

15 سنن الترمذي، أَبْوَابُ تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الَّذِي يُفَسِّرُ الْقُرْآنَ بِرَأْيِهِ

جس نے قرآن مجید میں اپنی رائے سے کام لیا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

2۔ جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ[16]

جس نے قرآن مجید میں رائے سے کام لیتے ہوئے کچھ کہا، اگرچہ درست بھی کہا تو بھی اس نے غلطی کی۔

3۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول ﷺ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا[17]

اللہ تعالیٰ علم کو انسانوں سے اچانک نہیں اٹھائیں گے، بلکہ علماء فوت ہو جائیں گے، ان کے جانے سے علم بھی رخصت ہو جائے گا یہاں تک کہ لوگوں میں کوئی بھی عالم نہیں رہ جائے گا اور لوگ جہلاء کو اپنا پیشوا بنالیں گے، وہ علم کے بغیر فتوی صادر کریں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

فَيُفْتُونَ بِرَأْيِهِمْ، فَيُضِلُّونَ وَيَضِلُّونَ[18]

وہ اپنی رائے سے فتویٰ جاری کریں گے، خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

صحابہ کرام اور رائے کی مذمت

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

قَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ: أَيُّ أَرْضٍ تُقِلُّنِي، وَأَيُّ سَمَاءٍ تُظِلُّنِي، إِذَا قُلْتُ عَلَى اللهِ مَا لَا أَعْلَمُ.[19]

زمین کا کون سا قطعہ پناہ دے گا اور آسمان کا کون سا گوشہ مجھے سایہ فراہم کرے گا، اگر میں کتاب اللہ میں اپنے رائے سے یا بے علمی سے کچھ کہوں۔

ایک دوسری روایت میں منقول ہے:

"أَيُّ سَمَاءٍ تُظِلُّنِي، وَأَيُّ أَرْضٍ تُقِلُّنِي إِذَا قُلْتُ فِي كِتَابِ اللهِ بِرَأْيِي"[20]

کونسا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا اور کون سی زمین مجھے پناہ دے گی اگر میں اللہ کی کتاب میں اپنی رائے سے کچھ کہوں۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہو کر اپنی رائے کے بارے میں یہ تبصرہ فرماتے:

---

16 سنن الترمذي، أَبْوَابُ تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الَّذِي يُفَسِّرُ الْقُرْآنَ بِرَأْيِهِ
17 صحيح البخاري، كِتَابُ العِلْمِ، بَابٌ: كَيْفَ يُقْبَضُ العِلْمُ، رقم الحديث 100
18 صحيح البخاري، كِتَابُ الِاعْتِصَامِ بِالكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، بَابُ مَا يُذْكَرُ مِنْ ذَمِّ الرَّأْيِ وَتَكَلُّفِ القِيَاسِ، رقم الحديث 7307
19 موطأ الإمام مالك، كتاب الجامع ،باب ما يُخاف من اللسان، رقم الحديث 2079،
20 شعب الإيمان، أبو بكر البيهقي،540/3، رقم الحديث 2082

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ الرَّأْيَ إِنَّمَا كَانَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُصِيبًا؛ لِأَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يُرِيهِ، وَإِنَّمَا هُوَ مِنَّا الظَّنُّ وَالتَّكَلُّفُ»21

لوگو! بے شک رائے تو رسول اللہ ﷺ ہی کی صائب ہوتی تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی راہ نمائی فرماتے تھے، جبکہ ہماری رائے تو محض ظن اور تکلف پر مبنی ہوتی ہے۔

تابعین عظام اور رائے کی مذمت

1۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) فرماتے ہیں:

«مَا حَدَّثُوكَ هَؤُلَاءِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخُذْ بِهِ، وَمَا قَالُوهُ بِرَأْيِهِمْ، فَأَلْقِهِ فِي الْحُشِّ»22

یہ لوگ جو کچھ رسول ﷺ کے حوالے سے پیش کریں اسے حاصل کرلو اور جو ان کی اپنی آراء ہوں انہیں بیت الخلا میں پھینک دو۔

2۔ ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ان سے مروی ہیں کہ انہوں نے اپنے شاگرد سے کہا:

«مَا حَدَّثُوكَ عَنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ فَخُذْ بِهِ، وَمَا قَالُوا فِيهِ بِرَأْيِهِمْ فَبُلْ عَلَيْهِ»23

جو کچھ یہ لوگ تمہیں صحابہ کرام کے حوالے سے بیان کریں وہ حاصل کرلو اور جو محض اپنی رائے سے کہیں اس پر پیشاب کر دو۔

3۔ عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

«مَا زَالَ أَمْرُ بَنِي إِسْرَائِيلَ مُعْتَدِلًا لَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ حَتَّى نَشَأَ فِيهِمُ الْمُوَلَّدُونَ أَبْنَاءُ سَبَايَا الْأُمَمِ أَبْنَاءُ النِّسَاءِ الَّتِي سَبَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ مِنْ غَيْرِهِمْ فَقَالُوا فِيهِمْ بِالرَّأْيِ فَأَضَلُّوهُمْ»24

بنی اسرائیل راہ اعتدال پر تھے ان میں کوئی (خرابی کی) چیز نہیں تھی۔ جب ان میں نومولود (دوسری امتوں میں سے قیدیوں کے بیٹے) اٹھے، جو بنی اسرائیلی نہیں تھے، تو انہوں نے رائے پر عمل کرنے کی طرح ڈالی اور اس طرح ان گمراہ کر دیا۔

4۔ عمر بن عبد لعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے سب لوگوں کے نام تحریری طور پر حکم نامہ صادر فرمایا:

«أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى النَّاسِ أَنَّهُ لَا رَأْيَ لِأَحَدٍ مَعَ سُنَّةٍ سَنَّهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»25

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کی جاری کردہ سنت کی موجودگی میں کسی کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں۔

---

21 جامع بيان العلم وفضله، أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر 1040/2، رقم الحديث 2000
22 سنن دارمی، رقم الحديث206
23 الإبانة الكبرى لابن بطة، بَابُ ذَمِّ الْمِرَاءِ وَالْخُصُومَاتِ فِي الدِّينِ , وَالتَّحْذِيرِ مِنْ أَهْلِ الْجِدَالِ وَالْكَلَامِ،رقم الحديث 608
24 مسند الدارمي المعروف بسنن الدارمي، المقدمة بَابُ التَّوَرُّعِ عَنِ الْجَوَابِ فِيمَا لَيْسَ فِيهِ كِتَابٌ وَلَا سُنَّةٌ ،رقم الحديث 122
25 جامع بيان العلم وفضله، بَابُ مَعْرِفَةِ أُصُولِ الْعِلْمِ وَحَقِيقَتِهِ وَمَا الَّذِي يَقَعُ عَلَيْهِ اسْمُ الْفِقْهِ وَالْعِلْمِ مُطْلَقًا، رقم الحديث 1456

5۔ بعض کبار تابعین فقہ وافتاء میں درجہ امامت پر پہنچنے کے باوجود تفسیر قرآن میں اظہار رائے سے گریز کرتے تھے، حالانکہ ان کی زبان دانی اور اسالیبِ عربی سے واقفیت میں بھی کوئی شک نہیں تھا۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگردوں میں سے عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں بالخصوص معروف ہیں، فقہ وافتاء میں ان کا ایک مقام ہے۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اہل مکہ سے فرمایا کرتے تھے:

يا أهل مكةَتجتمِعون علَيَّ وعندكم عطاء؟26

اے اہل مکہ، تمہارے پاس عطاء موجود ہے اور تم میری طرف چلے آتے ہو؟

لیکن عطاء تفسیر قرآن میں رائے دینے سے گریز کرتے تھے۔ عطاء کے شاگردِ رشید ابن جریج کے بقول:

كنت أسأَل عَطاء عَن كل شَيْء يُعجبنِي فَلَمَّا سَأَلته عَن الْبَقَرَة وَآل عمرَان أَو عَن الْبَقَرَة فَقَالَ اعفني عَن هَذَا اعفني عَن هَذَا27

میں عطاء سے اپنی پسند کی ہر چیز کے بارے پوچھ لیا کرتا تھا، لیکن جب میں ان سے سورۃ بقرہ اور آل عمران یا سورۃ البقرۃ کے بارے میں پوچھتا تو فرماتے: اس بارے میں مجھے معاف رکھیے۔ مجھے معاف رکھیے!

6۔ اس بارے میں دیگر تابعین عظام اور ائمہ سلف سے کثرت کے ساتھ اقوال منقول ہیں۔

معروف تابعی مفسر قتادہ السدوسی، بھی تفسیر قرآن میں بالخصوص رائے سے اجتناب کرتے تھے۔

معمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے قتادہ کو یہ کہتے ہوئے سنا:[28]

«مَافِي الْقُرْآنِ آيَةٌ إِلَّا وَقَدْ سَمِعْتُ فِيهَا شَيْئًا»29

قرآن کی ہر آیت کے بارے میں نے کچھ نہ کچھ سن رکھا ہے۔

ایک موقع پر انہوں نے فرمایا:

مَا قُلْتُ برأيي مُنْذُ أَرْبَعِينَ سَنَةً30

میں نے گزشتہ چالیس سال سے محض اپنی رائے سے کچھ نہیں کہا۔

---

26 تذكرة الحفاظ،للذہبی، الطبقة الثالثة من الكتاب57/1

27 العلل ومعرفة الرجال،أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل 131/2

[28] قتادہ بن دعامت السدوسی البصری، صغار تابعین میں سے ہیں اور انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، انہوں نے کبار تابعین سعید بن المسیب، حسن بصری، عکرمہ، شعبی سے استفادہ کیا (تہذیب الکمال)

29 سنن الترمذي، أَبْوَابُ تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الَّذِي يُفَسِّرُ الْقُرْآنَ بِرَأْيِهِ

30 الطبقات الكبرى،لِابن سعد، الطَّبَقَةُ الثَّالِثَةُ، قَتَادَةُ بْنُ دِعَامَةَ السَّدُوسِيُّ 171/7

تفسیر قرآن میں اکثر کوئی نہ کوئی حدیث پیش کرتے، تفسیر طبری میں ان سے منقول تفسیری اقوال میں دوسوپانچ روایات مذکور ہیں[31]، اور سو سے زیادہ روایات میں انہوں نے قولِ صحابی پر اعتماد کیا ہے۔

تفسیر بالرائے کے بارے میں متضاد اقوال اور ان کی توجیہہ

گزشتہ گفتگو سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آچکی ہے۔ کہ احادیث و آثار اور اقوالِ تابعین میں عقل واجتہاد کی مدح و تعریف بھی ہے اور دیگر احادیث و آثاراوراقوالِ تابعین میں رائے کی خوب مذمت بھی کی گئی ہے۔ اس ظاہری تعارض اور تضاد کو کیسے زائل کیا جاسکتا ہے؟ اوراس بارے میں راہ حق وانصاف اور سبیلِ وسط واعتدال کیا ہے؟

اس کی مختلف توجیہات یہ ہیں۔

1۔ ابن الأنباری کی توجیہہ

مشہور نحوی امام وماہرِ لغت ابن الانباری[32] رائے کی مذمت پر "مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ" کی توجیہہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فَحَمَلَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ هَذَا الْحَدِيثَ عَلَى أَنَّ الرَّأْيَ مَعْنِيٌّ بِهِ الْهَوَى، مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ قَوْلًا يُوَافِقُ هَوَاهُ، لَمْ يَأْخُذْهُ عَنْ أَئِمَّةِ السَّلَفِ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ، لِحُكْمِهِ عَلَى الْقُرْآنِ بِمَا لَا يَعْرِفُ أَصْلَهُ، وَلَا يقف على مذهب أَهْلِ الْأَثَرِ وَالنَّقْلِ فِيهِ.
33

"بعض اہل علم نے اس حدیث کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ رائے سے خواہش اور من پسند نظریہ مراد ہے، یعنی قرآن کی ایسی تفسیر جو اپنی خواہش نفس اور نظریہ کے مطابق ہو، ائمہ سلف سے ماخوذ نہ، اگر وہ صحیح ہو تو بھی خطا ہے، کیونکہ اس نے اصل بنیاد کو پہنچانے بغیر قرآن مجید میں رائے زنی کی ہے اوراس نے اس بارے میں اہلِ اثر اور اہل نقل کے نظریہ سے واقفیت حاصل نہیں کی۔"

2۔ امام قرطبی کی توجیہہ

امام قرطبی نے تفسیر بالرائے کی مذمت کو درج ذیل دوصورتوں میں سے ایک پر محمول کیا ہے:[34]

1۔ **پہلی صورت یہ ہے کہ** کسی معاملے میں آدمی کی خود اپنی ایک رائے ہو، خواہشِ نفس کی بناپر اس کی طرف طبعی میلان بھی رکھتا ہو، پھر وہ اپنی خواہش اور رائے کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر کرے تاکہ وہ اپنی غرض کے جواز کے لیے حجت پکڑ سکے، اگر اس کا طبعی میلان اور خواہش نفس نہ ہوتی تو خود اس کے سامنے بھی قرآن کا وہ معنی نہ آسکتا۔

---

[31] تفسیر التابعین، الحضیری 256/1۔

32 أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْقَاسِمِ بْنِ بَشَّارِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْأَنْبَارِيُّ النَّحْوِيُّ اللُّغَوِيُّ

33 الجامع لأحكام القرآن = تفسير القرطبي، باب ما جاء من الوعيد في تفسير القرآن بالرأى، والجرأة على ذلك، ومراتب المفسرين 32/1

34 ایضاً

2۔ **دوسری صورت یہ ہے** کہ کوئی شخص ظاہری عبارت کو دیکھ کر تفسیرِ قرآن میں جلد بازی سے کام لے، غرائبِ قرآن سے متعلق منقول و مسموع روایات کو بالائے طاق رکھ دے.. .. .. سو جو شخص بھی ظاہر تفسیر میں پختگی حاصل کیے بغیر محض عربی لغت کی بنیاد پر معانی کا استنباط کرے۔ وہ کثرت سے غلطیوں کا مرتکب ہوگا اور تفسیر بالرائے کی مذمت میں داخل ہوگا، کیونکہ ظاہری تفسیر میں بنیادی طور پر منقول و مسموع روایات پر تکیہ ضروری ہے تاکہ اغلاط سے بچا جاسکے، اس کے بعد فہم و استنباط میں بڑی وسعت ہے۔

3۔ امام راغب اصفہانی کی توجیہہ

امام راغب اصفہانی نے افراط و تفریط پر مبنی دو آراء ذکر کی ہیں۔35

1۔ کچھ لوگ صرف ماثور پر اکتفا کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور کتاب اللہ میں اپنی طرف سے کچھ بھی کہنے سے منع کرتے ہیں۔

2۔ کچھ دیگر ہر ادیب اور زبان سے کچھ واقفیت رکھنے والے کو تفسیر کی اجازت دیتے ہیں۔

اس کے بعد بعض محققین کی رائے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وذكر بعض المحققين "أن المذهبين "هما الغلو والتقصير، فمن اقتصر على المنقول إليه فقد "ترك كثيراً مما يحتاج إليه"، ومن أجاز لكل أحد الخوض فيه، فقد عرضه للتخليط 36

"بعض محققین کہتے ہیں کہ دونوں مذاہب میں ہی غلو و تقصیر اور افراط و تفریط ہے۔ جو صرف منقول پر ہی اکتفا کرتے ہیں یقینا تفسیر قرآن میں بہت ضروری اشیا کو ترک کر دیتے ہیں اور جو ہر ایک کو تفسیر میں غوطہ زنی کی اجازت دیتا ہے، وہ تفسیر کو حق و باطل میں آمیزش کا باعث بناتا ہے"

ان کے نزدیک اہل لوگ جو لغت و آثار اور دیگر لوازماتِ تفسیر سے واقف ہوں، اگر تفسیرِ قرآن پیش کریں تو حدیث میں بیان کی گئی مذمت سے مستثنیٰ ہیں، بصورتِ دیگر تفسیر بالرائے مذموم ہے۔

4، ابن عطیہ کی توجیہ

قرطبی لکھتے ہیں کہ ابن عطیہ کہتے ہیں:

قَالَ ابْنُ عَطِيَّةَ: " وَمَعْنَى هَذَا أَنْ يَسْأَلَ الرَّجُلُ عَنْ مَعْنًى فِي كِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فَيَتَسَوَّرُ عَلَيْهِ بِرَأْيِهِ دُونَ نَظَرٍ فِيمَا قَالَ الْعُلَمَاءُ، وَاقْتَضَتْهُ قَوَانِينُ الْعِلْمِ كَالنَّحْوِ وَالْأُصُولِ، وَلَيْسَ يَدْخُلُ فِي هَذَا الْحَدِيثِ أَنْ يُفَسِّرَ اللُّغَوِيُّونَ لُغَتَهُ وَالنَّحْوِيُّونَ نَحْوَهُ وَالْفُقَهَاءَ مَعَانِيَهُ، وَيَقُولَ كُلٌّ وَاحِدٍ بِاجْتِهَادِهِ الْمَبْنِيِّ عَلَى قَوَانِينِ عِلْمٍ وَنَظَرٍ، فَإِنَّ الْقَائِلَ عَلَى هَذِهِ الصِّفَةِ لَيْسَ قَائِلًا بِمُجَرَّدِ رَأْيِهِ". 37

35 مقدمة تفسير الراغب الأصفهاني ، ص180

36 مقدمة تفسير الراغب الأصفهاني 37/1

37 الجامع لأحكام القرآن = تفسير القرطبي 32/1

"اس کا(یعنی تفسیر بالرائے کی مذمت کا) معنی یہ ہے کہ کسی نے کتاب الہی کا کوئی مفہوم پوچھا تو وہ جھٹ سے اپنے خیالات کے ذریعے سے اس پر چڑھائی کر دے، یہ دیکھنے کی رحمت گوارانہ کرے کہ علماء اس بارے میں کیا کہتے ہیں، قوانینِ علم جیسا کہ نحو اور (دیگر) قوانین وعلوم کیا تقاضا کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کا اطلاق اس پر بھی نہیں ہوتا کہ اہل لغت، نحوی حضرات اور فقہا اس (قرآن) کے معانی کی تفسیر کریں اور ان میں سے ہر کوئی اپنے علم، نظر اور قوانین کے تحت ہی اجتہاد کرتا ہے لہذا ان صفات کے تحت اگر کوئی (تفسیر کے متعلق) بات کرتا ہے تو وہ مجرد رائے کے ساتھ بات کرنے والے کے مترادف نہیں ہے"

5۔ محمد ابن تیمیہ کی توجیہہ

محمد ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

فأما تفسير القرآن بمجرد الرأي فحرام. [و ذكر اقوال السلف ثم قال] ..... فهذه الآثار الصحيحة وما شاكلها عن أئمة السلف، محمولة على تحرجهم عن الكلام في التفسير بما لا علم لهم به. فأما من تكلم بما يعلم من ذلك لغة وشرعا فلا حرج عليه؛ ولهذا روى عن هؤلاء وغيرهم أقوال في التفسير، ولا منافاة؛ لأنهم تكلموا فيما علموه وسكتوا عما جهلوه، وهذا هو الواجب على كل أحد۔۔۔۔۔۔۔۔38

جہاں تک محض رائے اور خیال کی بنیاد پر تفسیر کا معاملہ ہے سو یہ تو حرام ہے۔(اس کے بعد ابن تیمیہ صاحب نے تفسیر بالرأی کی مذمت پر سلف کے اقوال نقل کیے ہیں)۔۔۔۔ پھر لکھتے ہیں: یہ صحیح آثار اور اس طرح ائمہ سلف کے دیگر اقوال کا مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ بغیر علم کے تفسیر میں کلام کرنے میں گناہ محسوس کرتے تھے اور بچتے تھے، لیکن جو شخص تفسیر میں لغت اور شرعی علم کی بنیاد پر گفتگو کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ انہی اسلاف اور دیگر بزرگوں سے تفسیری اقوال منقول ہیں، اور اس میں کوئی تعارض والی بات نہیں، کیونکہ جہاں انہیں علم تھا انہوں نے گفتگو کی اور جس چیز کا علم نہیں تھا اس میں سکوت اختیار کیا اور یہی ہر ایک پر واجب ہے۔۔۔۔

ائمہ سلف کے نزدیک علم سے کیا مراد ہے؟

محمد ابن تیمیہ نے جو لکھا ہے کہ "اسلاف کو جہاں علم تھا وہاں انہوں نے کلام کیا اور جہاں علم نہیں تھا خاموشی اختیار کی"۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اسلاف کے نزدیک لغت ودرایت حقیقی علم نہیں ہے، بلکہ بنیادی طور پر آیات واحادیث اور آثار کو ہی وہ علم سمجھتے تھے۔

احمد ابن القیم رائے کی مذمت پر صحابہ کے اقوال نقل کرنے کر بعد رقمطراز ہیں:

فهؤلاء من الصَّحابة: أبو بكر الصِّدِّيق، وعمر بن الخطاب، وعثمان بن عفان، وعلي بن أبي طالب، وعبدُ اللَّه بن مسعود، وعبدُ اللَّه بن عباس، وعبدُ اللَّه بن عُمَر، وزيدُ بن ثابت، وسهلُ بن حُنَيف، ومُعَاذ بن جبل، ومعاويةُ خالُ

38 مقدمة في أصول التفسير، فصل تفسير القرآن بمجرد الرأي، ص50

المؤمنين (3)، وأبو موسى الأشعري يُخْرِجُونَ الرأيَ عن العلم، ويذمونه، ويحذرون منه، وَيَنْهَونَ عن الفُتْيَا به۔۔۔ 39

یہ صحابہ کرام ابو بکر صدیق، عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، ابن مسعود، ابن عباس، عبد اللہ بن مسعود، زید بن ثابت، سہل بن حنیف، معاذ بن جبل، مومنین کے ماموں معاویہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم رائے کو علم سے خارج سمجھتے تھے، رائے کی مذمت کرتے، اس سے خبر دار کرتے اور اس کی بنیاد پر فتویٰ دینے سے منع فرماتے تھے۔

تجزیہ

درج بالا تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ جمہور امت کے نزدیک تفسیر قرآن مجید میں رائے کا استعمال دو قسم کا ہوتا ہے:

1- فہم قرآن میں عقل واجتہاد اور غور وفکر سے کام لینا، احادیث وآثار، اقوال سلف اور عربی لغت کی اوضاع کو پیش نظر رکھتے ہوئے، یہ تفسیر بالرأی المحمود ہے۔

2- تفسیرِ قرآن میں محض عربی لغت پر اعتماد کرتے ہوئے یا محض نظریات وخواہشات کی تائید کے لیے احادیث وآثار اور اقوالِ سلف سے صرف نظر کرتے ہوئے رائے کو استعمال کرنا یہ تفسیر بالرأی المذموم ہے۔

تفسیر بالرأی میں حزم واحتیاط

یقیناً تفسیر بالرأی المحمود کے جواز کا مطلب یہ قطعاً نہیں کہ ہر شخص کو تفسیرِ قرآن میں رائے زنی کی عام اجازت دے دی جائے اور کتابِ الٰہی کو منحرفین وجاہلین کے لیے بازیچۂ اطفال بنادیا جائے۔ تفسیر قرآن دیگر علوم کی طرح محض ایک علم ہی نہیں بلکہ یہ تو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف براہ راست ایک نسبت ہے۔ ثابت شدہ شرعی علم اور قوی بنیاد کے بغیر اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بات منسوب کرنا انتہائی احمقانہ جسارت اور کبیرہ گناہ ہے۔ اس جسارت کو خود اللہ رب العزت نے شرک کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ ۳۳الاعراف

کہہ دو کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نازل نہیں کی اور بغیر علم کے اللہ کے بارے میں کوئی بات کہنے کو حرام قرار دیا ہے۔

39 إعلام الموقعين عن رب العالمين،إخراج الصحابة الرأي من العلم، 113/2

اللہ تعالیٰ نے خود نبی ﷺ کو بھی غیر معلوم اشیا میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کی اجازت نہیں دی اورانہیں علم الٰہی کے حوالے کرنے کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کی مدتِ قیام کے بارے میں فرمایا ہے:

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الکھف:۲۶)

کہہ دو کہ جتنی مدت وہ رہے اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ اسی کو آسمان اور زمین کی پوشیدہ باتیں (معلوم) ہیں۔

اصحاب کہف کی تعداد کے بارے ہدایت فرمائی:

قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ (الکھف:۲۲)

کہہ دیجئے! میرا پروردگار ہی ان کے شمار سے خوب واقف ہے۔

اسی حزم واحتیاط کی بناپر بعض صحابہ وتابعین تفسیر قرآن میں اپنی رائے دینے سے بہت اجتناب کرتے تھے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی حَبرُ الاُمت، ترجمان القرآن اور دعائے نبوی ﷺ کے حامل ہونے کے باوجود بعض آیات کی تفسیر میں مطلق سکوت اختیار کرتے تھے۔

ابن ابی ملیکہ کا بیان ہے:

أنّ ابن عباس سُئل عن آية لو سئل عنها بعضكم لقال فيها، فأبى أن يقول فيها. 40 إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ. 41

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک آیت کے بارے میں پوچھا گیا، لیکن انہوں نے اس بارے میں کچھ کہنے سے انکار کیا، حالانکہ اگر تم میں سے کسی سے اس آیت کے بارے میں پوچھا جاتا تو ضرور کچھ کہہ دیتا۔

عظیم تابعی سعید بن مسیب سے کسی آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو کہا:

إِنَّا لَا نَقُولُ فِي الْقُرْآنِ شَيْئًا 42

ہم لوگ تفسیر قرآن کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہتے۔

بہر حال اس میں صحابہ وتابعین کا طرز عمل بہت معروف ہے۔ جس سے صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ یہ عظیم لوگ عہد نبوی ﷺ کے فیض یاب، قریب ترین اور لغتِ عرب سے خوب آشنا ہونے کے باوجود تفسیرِ قرآن میں کس درجہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے۔

اسی بناپر علمائے سلف نے تفسیر بالرائے کے لیے کچھ حدود وقیود، اصول وضوابط اور شروط لازمی قرار دی ہیں۔ جو شخص بھی مطلوبہ اہلیت اور اوصاف کے بغیر تفسیر قرآن کی جسارت کرے اسے علمائے سلف نے درج ذیل حدیث کا مصداق قرار دیا ہے:

40 جامع البيان في تأويل القرآن 86/1
41 تفسير القرآن العظيم، ابن كثير 12/1
42 تفسير القرآن العظيم، 12/1

«مَنْ قَالَ فِي القُرْآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»

جو قرآن میں بغیر علم کے رائے زنی کرے، اسے چاہیے اپنا ٹھکانہ آگ میں تلاش کرے۔

اب ماہرین علوم القرآن کے بیانات کی روشنی میں ان شروط کا تذکرہ کیا جائے گا جو تفسیرِ قرآن کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہیں۔

تفسیر بالرأی المحمود کے لیے ضروری شروط

جلال الدین سیوطی نے ان شروط کو گذشتہ اہل علم کی کتب سے اخذ کر کے اپنی کتاب "الإتقان في علوم القرآن" میں مفصل ذکر کیا ہے۔ بعد میں آنے والے ماہرین علوم القرآن نے بھی ان شروط کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ ان شروط کا خلاصہ یہ ہے۔[43]

1۔ صحتِ اعتقاد

مفسر کے لیے سب سے اہم اور بنیادی شرط صحتِ عقیدہ و منہج ہے۔ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

اعْلَمْ أَنَّ مِنْ شَرْطِهِ صِحَّةُ الاِعْتِقَادِ أَوَّلًا وَلُزُومُ سُنَّةِ الدِّينِ فَإِنَّ مَنْ كَانَ مَغْمُوصًا عَلَيْهِ فِي دِينِهِ لَا يُؤْتَمَنُ عَلَى الدُّنْيَا فَكَيْفَ عَلَى الدِّينِ ثُمَّ لَا يُؤْتَمَنُ مِنَ الدِّينِ عَلَى الْإِخْبَارِ عَنْ عَالِمٍ فَكَيْفَ يُؤْتَمَنُ فِي الْإِخْبَارِ عَنْ أَسْرَارِ اللهِ تَعَالَى۔۔۔ 44

جان لو عقیدہ کی درستگی اور دین کی سنت کو لازمی پکڑنا اس (تفسیر) کی شرط میں سے ہے، جو شخص دینی لحاظ سے معیوب و مکذوب ہو، اس پر تو یقیناً دنیاوی معاملات میں اعتماد نہیں کیا جاسکتا، چہ جائیکہ دینی امور میں، مزید بر آں ایسا شخص اگر کسی عالم کے حوالے سے کوئی خبر دے تو قابل اعتبار نہیں ہو گا، تو اسرار الٰہی کی خبر رسانی میں اس پر کیسے اعتبار کیا جاسکتا ہے؟

2۔ منقول تفسیر پر اعتماد

صحت کے لیے ضروری ہے کہ مفسر کا اولین اعتماد احادیث و آثار اور منقول تفسیر پر ہو۔ ائمہ سلف کی بیان کردہ اس شرط سے یہ بات واضح ہے کہ تفسیر بالرائے سے کام لیتے ہوئے، ایسا کوئی قول اختیار نہیں کیا جاسکتا جس سے احادیث و آثار کی تغلیط و تنقیص لازم آتی ہو۔

---

43 تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: التبیان فی آداب حملۃ القرآن، نووی 97/1۔ البرھان فی علوم القرآن، زرکشی، 146/2۔ مباحث فی علوم القرآن، مناع القطان، ص 329، 332۔

44 الإتقان في علوم القرآن 200/4

3۔ صحتِ مقصد و اخلاصِ نیت

تفسیر براہ راست مراد الٰہی کی تبیین و تشریح سے عبارت ہے۔ اس میں نیت کی اصلاح ازحد ضروری ہے۔ باری تعالیٰ کی طرف سے صحیح راہ نمائی اسے ہی حاصل ہوگی جو اس کی ذات اور اس کے کلام سے مخلص ہوگا اور تفسیر کرتے ہوئے دیگر اغراض فاسدہ سے پاک و صاف ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۔۔۶۹ العنکبوت

جن لوگوں نے ہمارے لیے کوشش کی اہم ان کو ضرور اپنے رستے دکھادیں گے۔

علامہ زرکشی لکھتے ہیں:

وَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا يَحْصُلُ لِلنَّاظِرِ فَهْمُ مَعَانِي الْوَحْيِ حَقِيقَةً وَلَا يَظْهَرُ لَهُ أَسْرَارُ الْعِلْمِ مِنْ غَيْبِ الْمَعْرِفَةِ وَفِي قَلْبِهِ بِدْعَةٌ أَوْ إِصْرَارٌ عَلَى ذَنْبٍ أَوْ فِي قَلْبِهِ كِبْرٌ أَوْ هَوًى أَوْ حُبُّ الدُّنْيَا أَوْ يَكُونُ غَيْرَ مُتَحَقِّقِ الْإِيمَانِ أَوْ ضَعِيفَ التَّحْقِيقِ أَوْ مُعْتَمِدًا عَلَى قَوْلِ مُفَسِّرٍ لَيْسَ عِنْدَهُ إِلَّا عِلْمٌ بِظَاهِرٍ أَوْ يَكُونُ رَاجِعًا إِلَى مَعْقُولِهِ وَهَذِهِ كُلُّهَا حُجُبٌ وموانع وبعضها آكد من بعض۔۔۔۔ 45

جان لیجیے! بے شک وہ شخص وحی کے معانی اور حقیقت کو نہیں حاصل کر سکتا اور نہ اس پر غیبی معرفت سے اس علم کے اسرار ظاہر ہوسکتے ہیں، جس کے دل میں بدعت، تکبر، خواہشِ نفس، حبّ دنیا سمائی ہو یا وہ گناہ پر مصر ہو یا اس کا ایمان مشکوک ہو یا تحقیق میں کمزور ہو یا کسی بے علم مفسر کے قول پر اعتماد کرنے والا ہو، یا محض اپنی عقل کو سب کچھ سمجھتا ہو تو یہ سب ایسی رکاوٹیں اور موانع ہیں کہ ان سے متصف شخص کو مفاہیم وحی کا علم حاصل ہو سکتا ہے نہ اس پر وحی کے اسرار و رموز ہی منکشف ہوتے ہیں۔

مُفسّر کے لیے ضروری علوم

جو مفسر صرف احادیث وآثار پر اکتفانہ کرنا چاہتا ہو بلکہ اپنے فکر و فہم اور عقل واجتہاد کو وسعت دیتے ہوئے قرآنی حقائق و معارف میں غوطہ زن ہو کر نئے نئے گوہر تلاش کرنا چاہتا ہو، تو ایسے مفسر کے لیے بالخصوص چند ایسے بنیادی علوم سے واقف ہونا ضروری ہے جو اسے تفسیری اخطاء وانحرافات سے بچا سکیں۔

وہ علوم کون سے ہیں؟ اس بارے میں جمہور اہل علم درج ذیل پندرہ علوم کی فہرست پیش کرتے ہیں:[46]

---

45 البرهان في علوم القرآن، للزركشی 181/2

46 تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: التفسير والمفسرون، ذہبی۔ دراسات فی مناهج المفسرين، ابو عمر نادی بن محمود، استاذ التفسير ، جامعہ اسلامیہ مدینۃ المنورة ص 561، الاتقان للسیوطی۔ التیسیر فی قواعد علم التفسیر، کافیجی

1۔ **علم لغت**

2۔ **علم نحو**

3۔ **علم اشتقاق**

4۔ **علم تعریف**

کیونکہ مفردات وکلمات کی تشریح وجوہِ اِعراب ومعانی کی پہچان، درج بالا ایک ہی لفظ کے مختلف اشتقاقات وتعریفات کی معرفتِ علوم پر منحصر ہے۔

5،6،7، بلاغت کے علوم ثلاثہ **معانی، بیان اور بدیع**، کیونکہ کلام الٰہی میں سربستہ معانی کا حسن وجمال اوراسالیب وتعبیرات کی فصاحت علومِ بلاغت سے منکشف ہوسکتی ہے

8۔ **علم قرآءت:** اس کی روشنی میں نطق وکلام کی پہچان ہوتی ہے اور بسااوقات تفسیری اختلاف کی صورت میں قراءت ایک اہم وجہ ترجیح ہوتی ہے۔

9۔ علم العقائد، اس کی بنیاد پر آیات عقیدہ وصفات کی صحیح وضاحت ممکن ہے۔

10۔ **علم اصول فقہ:** اس علم کی روشنی میں اجمال وتفصیل، عموم وخصوص، اطلاق وتقید، اوامر ونواہی وغیرہ کا صحیح فہم حاصل ہوتا ہے۔

11۔ **علم اسباب النزول:** کیونکہ اس سے کئی آیات مبارکہ کا پس منظر سامنے آتا ہے۔ جس سے مفہوم مزید کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

12۔ **علم القصص:** اس سے قرآنی واقعات کی تشریح میں آسانی ہوتی ہے۔ اسے اہم علمِ تاریخ کا نام بھی دے سکتے ہیں۔

13۔ **علم الناسخ والمنسوخ**

14۔ **علم السنن، احادیث نبویہ اوراقوال صحابہ کا علم:** ظاہر ہے قرآن مجید کے فہم میں یہ اولین اہمیت کا حامل ہے اس اعتبار سے کہ وہی اس کلام مبین کے اولین مخاطب اوراولین ناقلین ہیں یعنی عینی شاہد ہیں، اس کے احکام ومسائل کی چلتی پھرتی تصویر اوراس کے حقائق ومعارف کی خوبصورت تعبیر ہیں۔

15۔ **علم المُوَهِبة:** یعنی فطری صلاحیت، تقویٰ وللّٰہیت اورذہانت وفطانت درج بالا تمام علوم کے لیے خشتِ اول اور بنیاد ہے۔

تجزیہ

بیان کی گئی فہرست میں علم الفقہ کا تذکرہ نہیں کیا گیا، حالانکہ آیات اور احکام کا صحیح فہم اس کے بغیر محال ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مذکورہ علوم فہم قرآن میں مختلف درجات کے حامل ہیں کچھ زیادہ اہم ہیں اور کچھ کم، نیز کسی موقع پر ایک علم کی زیادہ ضرورت ہے تو دوسرے مقام پر کسی دوسرے کی، یعنی ان علوم کی اہمیت مضامینِ قرآن اور کلام الٰہی کے مخصوص مقامات پر منحصر ہے۔ البتہ علوم عربیہ کی اہمیت بہر طور مسلّم ہے۔

مزید غور کیا جائے تو واضح دکھائی دیتا ہے کہ تفسیر قرآن میں مذکور علوم کی فہرست میں تاریخی لحاظ سے بھی کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ مثلا عہد نبوی میں صحابہ کے لیے اور طرح کے مصادر و ماخذ درکار تھے اور عہد تابعین میں سابقہ مصادر و ماخذ کے ساتھ اقوال صحابہ کا بھی اضافہ ہو گیا، اس طرح چلتے چلتے عصر حاضر میں قرآنی تاریخ و قصص کی تحقیق میں علمِ آثار قدیمہ اور آفاق و انفس سے متعلقہ آیات کی تفہیم میں جدید حاصل شدہ بنیادی معلومات بھی بہر حال مفصل تشریح میں معاون ہیں۔ اسی طرح عہد صحابہ و تابعین میں امم سابقہ کے واقعات کی تشریح میں اسرائیلی روایات سے استفادہ کیا جاتا تھا، جبکہ بعض جدید مفسرین نے براہ راست بائبل کے حوالہ جات دیئے ہیں۔ بالخصوص برصغیر کے تفسیری ادب میں تفہیم القرآن، تفسیر حقانی اور تفسیر تدبر قرآن میں بالخصوص یہ اسلوب استعمال کیا گیا ہے۔

ایک اور حوالے سے اگر دیکھا جائے تو مذکورہ علوم میں سے ہر علم ارتقا کے مراحل طے کرتے ہوئے اس وقت ایک باقاعدہ اور منظّم مستقل علم کی حیثیت اختیار کر چکا ہے، ان میں کسی ایک علم میں بھی بیک وقت مہارتِ تامہ حاصل کرنا ناممکن نہیں تو کم از کم انتہائی مشکل ضرور ہے، اس بنا پر ایک مفسر کے لیے ان میں اتنا ادراک کافی ہے، جس قدر فہم قرآن میں معاون ہو۔

بیان کردہ تمام علوم کو اگر بالاختصار، ایک دوسرے میں تداخل و انضمام کے حوالے سے دیکھا جائے تو درج ذیل بنیادی پانچ علوم ہی ایک مفسر کے لیے ضروری قرار پاتے ہیں:

1۔ علوم عربیت۔ 2 علم العقیدہ۔ 3 علم الفقہ و اصول فقہ 4۔ علم تاریخ و امم ماضیہ۔۔ 5 علم الحدیث

جلال الدین سیوطی کا آخری بیان کردہ علم "**علم المُوَهِبة**" ہر میدان کے لیے بدیہی و فطری تقاضا ہے، یہ کوئی کسبی و اختیاری علم نہیں، بلکہ محض توفیقِ الٰہی، الہامِ ربانی اور اللہ کی دی ہوئی فطری صلاحیت ہے، یہ اللہ تعالیٰ جس کو جس قدر چاہیے نصیب فرمادے۔

تفسیر بالرأی المحمود کی نمائندہ تفاسیر

اس موضوع کے اختتام سے پہلے مناسب ہو گا کہ تفسیر بالرأی المحمود کی چند نمائندہ تفاسیر کے نام ذکر کر دیئے جائیں۔

1۔ مفاتیح الغیب، امام رازی

2۔انوار التنزیل واسرار التاویل، قاضی بیضادی

3۔مدارک التنزیل وحقائق التاویل، النسفی

اردو زبان میں ابوالکلام آزاد کی ترجمان القرآن، ثناءاللہ امرتسری کی تفسیر ثنائی، عبدلماجد کی تفسیر ماجدی، عبدالحق حقانی کی تفسیر حقانی بھی تفسیر بالرأی المحمود سے تعلق رکھنے والی سمجھی جاتی ہیں۔

یہ بات البتہ ضرور قابل ذکر ہے کہ کسی تفسیر کو تفسیر بالرأی المحمود میں شمار کرنے کا یہ مطلب قطعا نہیں کہ اس میں موجود تمام آراء واقوال اور اجتہادات صائب ہیں، کیونکہ مفسر بحیثیت انسان بہر حال خطاونسیان کا پتلا ہے۔ اس کی بیان کردہ تفسیری آراء میں خطا کا امکان پوری طرح موجود رہتا ہے۔ البتہ اس کا فائدہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ دین کے ایک طالب علم کو کسی آیت کے متعلق تمام آثار وروایات ممکنہ حد تک ایک ہی مقام پر جمع شدہ مل جاتی ہیں، ان کو قبول ورد کا فیصلہ روایتی تحقیق اور درایتی معیار پر پرکھنے کے بعد ہی کیا جائے گا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

ڈاکٹر ظہور احمد دانش

بچوں کو عبادت گزار بنائیں

والدین اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کے لیے اپنی پوری محنت صرف کرتے ہیں۔ ہر والد یا والدہ چاہتی ہیں کہ ہماری اولاد نیک بنے، عبادت میں دلچسپی لے۔ چنانچہ اپنی اولادوں کو عبادت کرنے کی عادت ڈالنے کے لیے ان میں نیک بننے کی امنگ، شوق و جذبہ پیدا کرنے کے لیے ہم فقط کہنے پر یا نصیحت پر اکتفا نہیں کر سکتے بلکہ ہمیں ایسے طریقے اپنانے ہوں گے جن کی مدد سے ہم بچوں میں جذبہ عبادت بیدار کر سکیں۔ ہم اس حوالے سے کچھ مدگار مشورے تحریر کر رہے ہیں جو آپ کی خواہش کو تعبیر کرنے میں آپ کے لیے Helpful ثابت ہوں گے۔

مثال کے ذریعے رہنمائی کریں۔Lead by Example

مستقل مزاجی::Consistency

آپ والدین اپنی اولاد کے لیے رول ماڈل ہیں بچے آپ کو دیکھ کر چیزیں کاپی کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ عبادت کو اپنے روزمرہ کے معمولات کا باقاعدہ حصہ بنائیں۔ بچوں کے لیے عبادت گزار بننے کی خواہش سے پہلے خود کو ان کے لیے مثال بنانا ہو گا

جوش::Enthusiasm

اپنی عبادت میں خوشی اور جوش دکھائیں۔ بچے اس جذبہ کو دیکھ کر موٹیویٹ ہوں گے۔

اڑنے دو پرندوں کو ابھی شوخ ہوا میں

پھر لوٹ کے بچپن کے زمانے نہیں آتے

عبادت کا ماحول بنائیں۔Create a Worshipful Environment

جگہ::Space

عبادت کے لیے ایک خاص جگہ مختص کریں جہاں پورے اہتمام کے ساتھ عبادت ادا کی جا سکے۔ اس سے بچوں میں عبادت کی اہمیت بڑھ جائے گی۔

طرز وسائل::Tools and Resources

بچوں کے لیے عبادت کو دل چسپ بنانے کے لیے عمر کے مطابق کتابیں، بیانات، دینی ویڈیوز کا استعمال کریں۔

کہانیاں سنائیں:: Stories/Religious Texts

بچوں کے ساتھ بزرگوں کے واقعات شئیر کریں جن میں انھیں عبادت کی برکت سے جو انعامات ملے ان کا ذکر ہو۔بچوں میں عبادت گزاری کے واقعات سے خوشی پیدا ہو۔

دستکاری اور سرگرمیاں:Crafts and Activities

انہیں ڈرائنگ یا دستکاری جیسی سرگرمیوں میں شامل کریں جو عبادت کے موضوعات سے متعلق ہوں۔ایسی چیزیں بنائیں جو عبادت کے ذوق کو بڑھاتی ہوں جیسے مسجد، منار، کتاب، تسبیح وغیرہ۔

نمازیں:: Prayers

پنج وقتہ نمازوں کے اوقات بچوں کو بتائیں ان نمازوں کی رکعات بتائیں۔خود نماز پڑھتے وقت بچوں کو اس نماز کا نام بتائیں۔

کھانے کے وقت کی عادات:: Mealtime Blessings

آپ کھانا کھاتے وقت سنت کے مطابق کھانا کھائیں دعائیں پڑھیں آخر میں رب کا شکر ادا کریں پھر بچوں سے بھی آہستہ آہستہ دعا پڑھوائیں دعا کروائیں یوں بچوں کو ایکٹیویٹی کی صورت میں ایک عبادت اور اچھے کام کا عادی بنانے میں آپ کامیاب ہو جائیں گے۔

خاص مواقع:: Special Occasions

مذہبی تعطیلات منائیں اور عبادت کی سرگرمیوں کے ذریعے ان کی اہمیت کو بیان کریں۔

انٹر ایکٹو عبادت:: Interactive Worship

بچوں کو دینی تہوار یا پھر اجتماعی عبادت میں شامل رکھا کریں تاکہ وہ دیکھ دیکھ کر سیکھیں گے۔

بحث:: Discussion

عبادت کے بعد، اس بات پر بحث کریں کہ ان کے لیے کیا معنی خیز تھا اور انھوں نے کیا سیکھا۔یہ افہام و تفہیم اور ذاتی تعلق کو تقویت دیتا ہے۔

تعریف اور حوصلہ افزائی:: Praise and Encouragement

آپ کا بچہ یا بچی اس دن میں اپنی کسی عبادت کا ذکر کرتا ہے مثلاً میں نے آج درود شریف پڑھا۔چھینک آنے پہ الحمدللہ کہا تو آپ اس کا کندھ تھپکیں۔

عبادت میں ان کی شرکت اور کوششوں کو پہچانیں اور ان کی تعریف کریں۔

انعامات اور ترغیبات:: Rewards and Incentives

کبھی کبھار ان کی مستقل مزاجی کو چھوٹی ترغیبات کے ساتھ انعام دیں، جیسے کہ کوئی خاص سیر یا دعوت یا کوئی کتاب تحفہ میں پیش کریں۔

شکر گزاری کے طریقے:Gratitude Practices

انہیں عبادت سے جوڑتے ہوئے، باقاعدگی سے اظہار تشکر کرنے کی ترغیب دیں۔ جب گھر میں اچھے کپڑے پہنیں، اچھا کھانا کھائیں یا پھر ایسے ہی اور کوئی خوشی میسر آئے تو آپ خود بھی شکر ادا کریں اور بچوں کو بھی اس نعمت کا احساس دلاتے ہوئے شکر ادا کرنے کی ترغیب دیں۔

اجتماعی تقاریب میں شرکت:: Attend Services Together

کسی محفل، اجتماع، پروگرام، تقریب تقسیم اسناد، نکاح کی محفل وغیر میں بچوں کو لے کر جائیں تا کہ وہ دینی شعار کو آنکھوں سے مشاہدہ کر سکیں اور اس تقاریب کے اثر کو سمجھ کر قبول بھی کر سکیں۔

بچوں کے گروپ:: Children's Groups

انہیں مذہبی تعلیم کی کلاسوں یا عبادت گزار بچوں کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے کے مواقع فراہم کریں۔

طرز عمل تیار کریں:: Evolve Practices

جیسے جیسے بچے بڑے ہوتے ہیں، عبادت کے طریقوں کو ان کی بدلتی ہوئی دلچسپیوں اور سمجھ بوجھ کے مطابق ڈھال لیں۔ تا کہ وہ عبادت کو بوجھ نہیں بلکہ شوق سمجھ کر ادا کریں۔

سوالات کی حوصلہ افزائی کریں:: Encourage Questions

بچوں کے ذہن میں سینکڑوں سوالات جنم لیتے ہیں چاہے وہ معاشرتی مسئلہ ہو یا مذہبی آپ والدین پوری دیانت کے ساتھ ان کا سوال سنیں اور کوشش کریں کے حکمت کے ساتھ انھیں تشفی بخش جواب دیں۔ یہ سوال کسی مذہبی شعار کے بارے میں کسی عبادت کے بارے میں بھی ہو سکتا ہے۔

نرم رہنمائی: Guidance: Gentle

بچوں میں یہ نفسیاتی عارضہ رہتا ہے کہ وہ کسی چیز کو جس شدت سے قبول کرتے ہیں تو پھر اسی شدت سے اس چیز سے اُکتا بھی جاتے ہیں اب ایسے موقع پر والدین کو بہت حکمت سے کام لینا ہو گا۔ برداشت بھی کرنا ہو گا اور مستقل ان کی ذہن سازی بھی کرنی ہو گی۔

وحید الدین خان

مطالعۂ حدیث

شرح مشکاۃ المصابیح

(حدیث نمبر 85-72)

72

عبد اللہ بن جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان اس سے مایوس ہو چکا ہے کہ جزیرۂ عرب میں نمازی لوگ اس کی پرستش کریں۔ لیکن وہ ان کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے سے مایوس نہیں (صحیح مسلم، حدیث نمبر 2812)۔

رسول اور اصحاب رسول کے ذریعے جو انقلاب آیا اس نے مذہبی بت پرستی کو اتنا زیادہ بے بنیاد ثابت کر دیا کہ اب اس قسم کی مشرکانہ روش میں نہ سماجی عزت کا پہلو باقی رہا اور نہ مادی مفاد کا۔ اس لیے امت کے بعد کی نسلوں میں گمراہی کھلی بت پرستی کے راستے سے نہیں آئے گی۔ بلکہ وہ نفس پرستی اور مفاد پرستی کے راستے سے آئے گی۔ اس دوسری گمراہی کا اظہار اس طرح ہوگا کہ لوگ ذاتی مصلحتوں کے لیے آپس میں ایک دوسرے سے لڑیں گے۔

73

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا۔ اس نے کہا کہ میں اپنے دل میں ایسی بات پاتا ہوں کہ زبان سے اس کو بولنے سے زیادہ مجھ کو پسند ہے کہ میں جل کر کوئلہ ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ اس خدا کا شکر جس نے اس طرح کے معاملہ کو وسوسہ قرار دیا (سنن ابو داؤد، حدیث نمبر 5112)۔

موجودہ دنیا میں آدمی فتنوں اور آزمائشوں کے درمیان جیتا ہے۔ اس لیے کوئی آدمی اس سے نہیں بچ سکتا کہ اس کے دل میں غلط قسم کے خیالات آئیں۔ لیکن انسان کی پکڑ بولے ہوئے قول اور کیے ہوئے عمل پر ہے، دل کے اندر گزرے ہوئے خیالات پر نہیں۔

74

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کے اوپر ایک اثر شیطان کا ہے اور ایک اثر فرشتے کا۔ پس شیطان کا اثر تو شر سے ڈرانا اور حق کو جھٹلانا ہے۔ اور فرشتے کا اثر نیکی پر ابھارنا اور حق کی تصدیق کرنا ہے۔ پس جو آدمی اس کو پائے تو اس کو جاننا چاہیے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور پھر وہ اللہ کا شکر ادا کرے۔ اور جو شخص دوسری کیفیت اپنے اندر پائے تو وہ شیطان کے مقابلے میں اللہ سے پناہ مانگے۔ پھر آپ نے قرآن (2:268) کی یہ آیت

پڑھی: اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ (شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا ہے اور بری بات کی تلقین کرتا ہے) سنن الترمذی، حدیث نمبر2988۔

انسان کے اندر دو مختلف قسم کے محرکات کی خبر اس لیے دی گئی ہے تاکہ جب وہ اپنی زندگی میں ان میں سے کسی کی علامت دیکھے تو وہ اس کی حقیقت کو پہچان لے۔ ایک علامت پر وہ شیطان سے بچنے کی کوشش کرے اور دوسری علامت پر وہ خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اس سے قریب ہو جائے۔

75

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ پوچھ گچھ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ کہا جائے گا کہ مخلوق کو خدا نے پیدا کیا تو خدا کو کس نے پیدا کیا۔ پھر جب لوگ ایسا کہیں تو تم کہو : اللّٰهُ اَحَدٌ۔اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ۔وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (اللہ ایک ہے۔اللہ بے نیاز ہے۔نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد۔اور کوئی اس کے برابر کا نہیں)۔ پھر وہ اپنے بائیں طرف تین بار تُھتکارے، اور شیطان کے مقابلے میں اللہ کی پناہ مانگے (سنن ابو داؤد، حدیث نمبر4722)۔

یہ حدیث موجودہ دور میں پیدا ہونے والی عقلیت پسندی کی پیشین گوئی ہے۔ مگر اس میں یہ بھی بتا دیا گیا کہ اس قسم کا سوال خود وقت کے عقلی نقطہ نظر سے سراسر بے بنیاد ہوگا۔ خدا کا وجود اتنا زیادہ واضح ہے کہ وہ جس طرح پچھلے زمانے میں ثابت شدہ تھا اسی طرح وہ بعد کے زمانے میں بھی ہے۔ اس بحث کے ضمن میں یہ سوال بالکل غیر متعلق ہے کہ خدا کو کس نے پیدا کیا۔ خدا اگر پیدا کرنے سے وجود میں آئے تو وہ کائنات کو پیدا کرنے والا نہیں بن سکتا۔ خدا اپنے آپ میں موجود ہے اسی لیے وہ اس کائنات کو وجود میں لاسکا۔ کائنات کی موجودگی خدا کی موجودگی کا ثبوت ہے۔ اگر ہم خدا کے وجود کا انکار کریں تو ہمیں کائنات کے وجود کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ چونکہ ہم کائنات کے وجود کا اقرار کرنے پر مجبور ہیں اس لیے ہم خدا کے وجود کا اقرار کرنے پر بھی مجبور ہیں۔

اس معاملے میں خود عقلی سائنس کی رو سے کوئی دوسرا انتخاب ہمارے لیے سرے سے ممکن نہیں۔ جدید سائنس نے کائنات کے ظہور کے بارے میں جو حقائق دریافت کیے ہیں اس کے بعد اب انسان کے لیے انتخاب (choice) بے خدا کائنات اور باخدا کائنات کے درمیان نہیں ہے۔ بلکہ باخدا کائنات اور غیر موجود کائنات کے درمیان ہے۔ اگر ہم خدا کے وجود کو نہ مانیں تو ہمیں کائنات کے وجود کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ چونکہ ہم کائنات کے وجود کا انکار نہیں کر سکتے اس لیے ہم خدا کے وجود کا بھی انکار نہیں کر سکتے۔ جدید سائنسی دریافتوں کے بعد خدا کے وجود کو ماننا اتنا ہی لازمی بن چکا ہے جتنا کہ کائنات کے وجود کو ماننا۔ (تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتابوں کو دیکھیے: مذہب اور جدید چیلنج، خدا کی دریافت، وغیرہ)

76

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ برابر سوال کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ وہ کہیں گے کہ اگر خدا نے تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے تو خدا کو کس نے پیدا کیا۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔ اور مسلم کی روایت میں اس طرح ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا تمہاری امت کے لوگ برابر کہتے رہیں گے۔ یہ کیا اور یہ کیا۔ یہاں تک کہ وہ کہیں گے کہ خدا نے مخلوقات کو پیدا کیا تو خدا کو کس نے پیدا کیا (متفق علیہ: صحیح البخاری، حدیث نمبر 7296؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر 136)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے زمانے میں جب عقلی بحثوں کا زور بڑھے گا تو خود امت مسلمہ کے لوگ بھی ذہنی طور پر اس سے متاثر ہو جائیں گے۔ اور وہ بھی وقت کی بولی بولنے لگیں گے۔ اس زمانے میں اس قسم کی گمراہی کا مقابلہ کرنے کے لیے جو فکری جد وجہد دوسرے لوگوں پر کی جائے گی۔ وہی خود امت کی فکری اصلاح کے لیے بھی ضروری ہو گی۔

77

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول شیطان میرے اور میری نماز اور میری قرأت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور مجھ پر نماز میں شبہ ڈالتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ شیطان ہے جس کو خِنزَب کہا جاتا ہے۔ پس جب تم اس کو محسوس کرو تو تم اس سے اللہ کی پناہ مانگو۔ اور اپنے بائیں طرف تین بار تھتکارو۔ پس میں نے ایسے ہی کیا تو اللہ نے اس کو مجھ سے دور کر دیا (صحیح مسلم، حدیث نمبر 68)۔

اس حدیث میں جو مخصوص طریقہ بتایا گیا ہے اس کی حیثیت اضافی ہے۔ اس کا اصل مدعا یہ ہے کہ جب بھی کسی آدمی کو یہ محسوس ہو کہ شیطان اس کو خدا کی یاد سے ہٹا رہا ہے تو وہ فوراً تعوذ کے کلمات زبان سے ادا کر کے شیطان سے پناہ مانگے۔ یہ گویا اپنے آپ کو غفلت سے نکال کر شعور کی حالت میں لانا ہے۔ یہ خدا کی مدد سے شیطان کے اوپر قابو پانا ہے۔ قرآن میں رہنمائی کی گئی ہے : جو لوگ ڈر رکھتے ہیں جب کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال انھیں چھو جاتا ہے تو وہ فوراً (اللہ کو) یاد کرتے ہیں اور پھر اسی وقت ان کو سوجھ آجاتی ہے (7:201)۔

78

قاسم بن محمد تابعی سے ایک آدمی نے سوال کیا۔ اس نے کہا کہ مجھے اپنی نماز میں وہم پیش آتا ہے۔ اور یہ مجھ پر بہت گراں گزرتا ہے۔ انھوں نے اس آدمی سے کہا کہ تم اپنی نماز جاری رکھو۔ کیوں کہ یہ چیز تم سے جانے والی نہیں، یہاں تک کہ تم اپنی نماز پوری کرو اور کہو کہ میں نے اپنی نماز پوری نہیں کی (موطا امام مالک، حدیث نمبر 3)۔

اس معاملے کا تعلق جس طرح نماز سے ہے اسی طرح اس کا تعلق دوسرے دینی اعمال سے بھی ہے۔ اس دنیا میں یہ مطلوب نہیں کہ آدمی کا احساس یہ ہو کہ میں نے معیاری عمل کر لیا۔ اس کے برعکس، آدمی کا احساس یہ ہونا چاہیے کہ مجھ سے معیاری عمل نہ ہو سکا۔ اپنے عمل کو کامل سمجھنا، منافقت کی علامت ہے، اور اپنے عمل کو ناقص سمجھنا اخلاص کی علامت۔

79

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے مخلوق کی تقدیروں کو لکھ دیا ہے، زمین وآسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت اللہ کا تخت پانی کے اوپر تھا (صحیح مسلم، حدیث نمبر 16)۔

یہاں تقدیر سے مراد منصوبۂ الٰہی ہے۔ خدا کی پیدا کی ہوئی زمین میں پہلے پانی کا دور آیا، اس کے بعد سطح زمین پر زندگی کا دور شروع ہوا۔ ہزاروں سال پہلے تقدیر کو لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے پیشگی طور پر اُس کورس کو متعین کر دیا جس کے تحت انسانی قافلے کو اپنا سفر کرنا تھا۔ اور اس فطری قانون کو طے فرما دیا جس کے دائرے میں ہر فرد کو اپنا عمل انجام دینا تھا۔

جدید سائنس کی روشنی میں جب ہم اِس معاملے پر غور کرتے ہیں تو تقدیر کا ایک اہم سُراغ (clue) ڈی این اے (DNA) کی شکل میں ملتا ہے۔ جدید سائنسی تحقیق بتاتی ہے کہ ہر انسان کا ڈی این اے اس کی شخصیت کا مکمل انسائیکلو پیڈیا ہے۔ ہر انسان کے ڈی این اے میں اس کی شخصیت کی تمام خصوصیات کوڈ کی شکل میں درج ہیں، جن کی مسلسل طور پر ڈی کوڈنگ (de-coding) ہوتی رہتی ہے۔ آدمی کے بیشتر عادات وافعال اسی ڈی این اے کے زیر اثر واقع ہوتے ہیں۔

80

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز مقرر اندازہ پر ہے، یہاں تک کہ عاجزی اور دانش مندی بھی (صحیح مسلم، حدیث نمبر 18)۔

انسانوں کی صلاحیتیں یکساں نہیں۔ اس دنیا میں ہر انسان کو الگ الگ استعداد کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔ دنیا کے نظام کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لیے ایسے لوگ بھی درکار ہیں جو جسمانی طاقت میں زیادہ ہوں اور ایسے لوگ بھی جن کے اندر ذہنی طاقت زیادہ پائی جائے۔ یہ مقدرات ہیں، اور وہ اس لیے ہیں تاکہ اس دنیا میں زندگی کا نظام مجموعی طور پر کامیابی کے ساتھ چلتا رہے۔

81

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدم اور موسی نے اپنے رب کے سامنے حجت کی تو آدم اس بحث میں موسی پر غالب آگئے۔ موسی نے کہا کیا آپ وہ آدم ہیں جن کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور آپ کے اندر اپنی روح پھونکی۔ اور اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا۔ اور آپ کو اپنی جنت میں ٹھہرایا۔ پھر آپ نے اپنی لغزش کی وجہ سے لوگوں کو نیچے اتار دیا۔ آدم نے کہا کہ آپ وہ موسی ہیں جس کو اللہ نے اپنی پیغمبری کے لیے اور اپنی ہم کلامی کے لیے چنا۔ اور آپ کو تختیاں دیں، جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔ اور آپ کو ہم کلامی کے ذریعے قربت دی۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ اللہ نے میری پیدائش سے کتنے عرصہ پہلے توراۃ کو لکھ دیا تھا؟ موسی نے کہا کہ چالیس سال پہلے۔ آدم نے کہا کہ کیا آپ نے اس میں لکھا ہوا پایا کہ آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی، پھر وہ راستہ سے دور ہو گئے (طہ، 20:121)۔ موسی نے کہا کہ ہاں۔ آدم نے کہا کہ کیا آپ مجھے ایک ایسے فعل کی ملامت کرتے ہیں، جو اللہ نے لکھ دیا تھا کہ میں اس کو کروں، اور یہ میری پیدائش سے

چالیس سال پہلے ہو چکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر آدم موسی پر غالب آگئے (صحیح مسلم، حدیث نمبر 2652)۔

انسان آزاد ہے یا مجبور۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ ففٹی ففٹی کا معاملہ ہے۔ اس حدیث کا مطلب انسان کو یہ بتانا ہے کہ وہ دو چیزوں کے درمیان ہے۔ ایک تقدیر الٰہی، اور دوسرے ذاتی اختیار۔ انسان ایک اعتبار سے آزاد ہے، اور دوسرے اعتبار سے وہ مجبور ہے۔ اپنی روز مرہ کی زندگی میں ہر عورت اور مرد آزادانہ طور پر اپنا کام کرتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ وہ بار بار محسوس کرتے ہیں کہ ان کی ذات کے باہر بھی کچھ طاقتیں ہیں جن کو نظر انداز کر کے وہ اس دنیا میں اپنا کام نہیں کر سکتے۔

یہ دو طرفہ تقاضے کیا ہیں۔ اصل یہ ہے کہ ایک ہے خود انسان کی شخصیت، اور دوسری چیز ہے وہ حالات جن کے درمیان کسی آدمی کو اپنا کام کرنا پڑتا ہے۔ اِن حالات کو فطرت کا قائم کیا ہوا انفراسٹرکچر (infrastructure) کہا جا سکتا ہے۔ جہاں تک انسان کی ذات کا تعلق ہے وہ پوری طرح آزاد ہے۔ انسان کو اختیار ہے کہ وہ جس طرح چاہے سوچے، وہ جو بات چاہے بولے، جس رخ پر چاہے اپنی زندگی کا سفر طے کرے۔ اس اعتبار سے انسان مکمل طور پر آزاد ہے۔

دوسری چیز وہ ہے جس کو انفراسٹرکچر کہا جا سکتا ہے۔ یہ انفراسٹرکچر مکمل طور پر فطرت کا قائم کیا ہوا ہے۔ یہ انفراسٹرکچر دنیا میں اپنے آپ قائم ہے۔ انسان کو یہ طاقت حاصل نہیں کہ وہ اس انفراسٹرکچر کو بدل ڈالے یا اس کو نظر انداز کر کے اپنے عمل کی منصوبہ بندی کرے۔

مثال کے طور پر ایک انسان زمین پر چلتا ہے۔ یہ چلنا انسان کی اپنی آزادی کا معاملہ ہے۔ لیکن اس چلنے کے لیے ضرورت ہے کہ آدمی کے قدموں کے نیچے ایک زمین ہو۔ اس زمین کے اندر قوتِ کشش ہو، اور پھر انسان کے اوپر ہوا کا دباؤ ہو، وغیرہ۔ یہ چیزیں خارجی انفراسٹرکچر کی حیثیت رکھتی ہیں، اور اس خارجی انفراسٹرکچر کے بغیر چلنے کا عمل ممکن نہیں، نہ کسی عورت کے لئے اور نہ کسی مرد کے لئے۔ یہی معاملہ دوسری ان تمام چیزوں کا ہے جن کے درمیان انسان اپنا عمل کرتا ہے۔

اسی طرح انسان سانس لیتا ہے۔ سانس لینا یا نہ لینا انسان کے اپنے اختیار کی بات ہے۔ لیکن درست طور پر سانس لینے کے لیے ضروری ہے کہ باہر کی دنیا میں آکسیجن کی سپلائی کا نظام موجود ہو۔ آکسیجن کی مسلسل سپلائی کے بغیر کوئی آدمی سانس نہیں لے سکتا۔ جب کہ سانس کے بغیر انسان کے لئے اس دنیا میں زندہ رہنا ممکن نہیں۔

یہ صورتِ حال بتاتی ہے کہ موجودہ دنیا میں انسان دو طرفہ تقاضوں کے درمیان ہے۔ ایک اعتبار سے وہ آزاد ہے، اور دوسرے اعتبار سے وہ مجبور ہے۔ اپنے ارادے کے استعمال کے اعتبار سے وہ پوری طرح آزاد ہے۔ لیکن اس اعتبار سے وہ مجبور ہے کہ اپنے ارادے کا آزادانہ استعمال وہ خالق کے مقرر کیے ہوئے انفراسٹرکچر کے بغیر نہیں کر سکتا۔ جبر و اختیار کی اس درمیانی صورتِ حال کو علم العقائد میں وَسَطِیّہ کہا جاتا ہے۔ یہی وسطیہ کا نظریہ اس معاملے میں صحیح نظریہ ہے۔

آدمی اگر صرف پہلی چیز کو یاد رکھے تو اس کے اندر بے عملی پیدا ہو گی۔ اور اگر وہ صرف دوسری چیز کو یاد رکھے تو اس کے اندر غیر حقیقت پسندانہ اعتماد پیدا ہو گا۔ متوازن شخصیت کی تعمیر کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کی نگاہ دونوں حقیقتوں کے اوپر یکساں طور پر رہے۔

82

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا—اور آپ صادق و مصدوق ہیں—تم میں سے ہر ایک کا وجود اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ کی صورت میں رہتا ہے۔ پھر وہ اتنے ہی دنوں تک علقہ کی صورت میں رہتا ہے۔ پھر وہ اتنے ہی دنوں تک گوشت کے ٹکڑے کی صورت میں رہتا ہے، پھر اللہ ایک فرشتہ کو چار باتوں کے ساتھ بھیجتا ہے۔ پھر وہ لکھتا ہے اس کا کام اور اس کی موت اور اس کا رزق اور یہ کہ وہ شقی ہے یا سعید۔ پھر اس کے اندر روح پھونکی جاتی ہے۔ پس اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم میں سے ایک شخص اہل جنت والا کام کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ پھر تقدیر کا لکھا ہوا اس پر غالب آجاتا ہے۔ پھر وہ اہلِ دوزخ کا کام کرتا ہے۔ اور وہ دوزخ میں جا گرتا ہے۔ اسی طرح تم میں کا ایک شخص دوزخیوں کا عمل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی رہتا ہے۔ پھر تقدیر کا لکھا ہوا اس پر غالب آجاتا ہے۔ اور وہ اہل جنت کا عمل کرتا ہے پھر وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے (متفق علیہ: صحیح البخاری، حدیث نمبر 3208؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر 1)۔

اس حدیث میں ایک مثال کی صورت میں فطرت کے ایک قانون کو بتایا گیا ہے۔ اور وہ یہ کہ آدمی کے انجام کا دار و مدار اس کے آخری عمل پر ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ اگر اس کو نیک عمل کی توفیق مل رہی ہے تو وہ اس پر گھمنڈ کی نفسیات میں مبتلا نہ ہو۔ عین ممکن ہے کہ بعد کو پیش آنے والی کسی آزمائش میں وہ پورا نہ اترے اور اس کی زندگی کا رخ بدل جائے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص برائی میں مبتلا ہو تو لوگوں کو اس سے نفرت نہیں کرنا چاہیے۔ کیا معلوم اس پر کوئی ایسا تجربہ گزرے جو اس کی اصلاح کر دے اور اس کی زندگی کا رخ برائی سے نیکی کی طرف مڑ جائے۔

83

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک بندہ اہل دوزخ کا عمل کرتا ہے۔ حالانکہ وہ اہلِ جنت میں سے ہوتا ہے۔ اور ایک بندہ اہل جنت کا عمل کرتا ہے۔ حالانکہ وہ اہلِ دوزخ میں سے ہوتا ہے۔ اور اعمال کا اعتبار آخری عمل پر ہے (متفق علیہ: صحیح البخاری، حدیث نمبر 6607، صحیح مسلم، حدیث نمبر 112)۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے انجام کا فیصلہ خصوصی امتحان کے وقت ہوتا ہے۔ یہ روایت کنڈیشننگ (conditioning) کے اصول سے اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ہر پیدا ہونے والا لازمی طور پر اپنے ماحول سے متاثر ہوتا ہے، یہاں تک کہ وہ ماحول کا پروڈکٹ بن جاتا ہے (صحیح البخاری، حدیث نمبر 1385)۔ ایسی حالت میں ایمان قبول کرنا، اس کے ذہن کے لیے ایک ایسی حقیقت کو قبول کرنا ہے جو اس کے لیے بالکل نئی ہے۔ اس لیے ہمیشہ یہ اندیشہ رہتا ہے کہ آدمی نئی چیز کو متاثر ذہن (conditioned mind) کے ساتھ دیکھے، اور اس کو درست طور پر سمجھ نہ سکے۔ ایسی حالت میں ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایمان لانے سے پہلے پیشگی طور پر ایک کام کرے۔ یعنی اپنے ذہن کی ڈی کنڈیشننگ (deconditioning) تاکہ وہ ایمان و معرفت کے آئٹم کو کھلے ذہن کے ساتھ دیکھے، اور بے آمیز

صورت میں اس کو لے سکے۔ایمان گویا تطہیر ذہن (purification of the mind) کا معاملہ ہے۔ اس تطہیر (purification) کے بغیر کوئی بھی شخص ایمان کو حقیقی طور پر نہیں پا سکتا۔اس کے بغیر اگر وہ ایمان قبول کرتا ہے تو اس کا ایمان، قرآن کے مطابق، داخل القلب ایمان (49:14) نہ ہوگا، بلکہ وہ ایمان لپ سروس (lip service) کے طور پر ہوگا، اور لپ سروس والا ایمان اللہ کے یہاں معتبر نہیں۔

ایک آدمی بظاہر اچھا عمل کرتا ہے مگر کنڈیشننگ کی وجہ سے اس کے دل میں کھوٹ رہتا ہے۔ امتحان کے وقت یہ کھوٹ سامنے آجاتا ہے۔اور وہ اس کو برے انجام کا مستحق بنا دیتا ہے۔اسی طرح ایک آدمی بظاہر برا عمل کرتا ہے مگر اس کے دل کے اندر سچائی کی تلاش کا جذبہ موجود ہوتا ہے، پھر کوئی واقعہ پیش آتا ہے اس کے بعد یہ چنگاری بھڑک اٹھتی ہے اور اس کی زندگی برائی سے ہٹ کر نیکی کے رخ پر چلنے لگتی ہے۔ اس طرح ایک بظاہر برا شخص متلاشیٔ حق ہونے کی بنا پر آخر میں جنتی بن جاتا ہے۔اور اس کے برعکس ایک بظاہر اچھا شخص اپنی کنڈیشننگ کی وجہ سے ابدی طور پر ناکام لوگوں کی فہرست میں شامل ہو جاتا ہے۔

84

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک انصاری بچہ کے جنازہ میں بلایا گیا۔ میں نے کہا: اے خدا کے رسول، اسے خوش خبری ہو کہ وہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے جس نے نہ تو گناہ کیا اور نہ گناہ کا وقت پایا۔ آپ نے کہا: اے عائشہ، اس کے سوا بھی ہو سکتا ہے۔ اللہ نے کچھ جنت والے پیدا کیے جنھیں ان کے باپ کی پیٹھوں میں جنت کے لیے بنایا۔ کچھ آگ والے پیدا کیے جنھیں ان کے باپ کی پیٹھوں میں دوزخ کے لیے بنایا (صحیح مسلم، حدیث نمبر 2662)۔

اس حدیث میں غالباً اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ جنت میں داخلہ کا تعلق عمر سے یا کسی اور نسبت سے نہیں ہے۔ جنت ایک بے حد قیمتی جگہ ہے۔ قرآن کے مطابق، جنت وہ جگہ ہے جہاں تاریخِ انسانی کی ربّانی شخصیات سچائی کی دنیا میں ابدی جگہ پائیں گے (54:55)۔ جنت خدا کے پڑوس (66:11) میں رہنے کا نام ہے۔ اس میں داخلہ کا استحقاق کسی کو صرف اللہ رب العالمین کی رحمت سے ملے گا۔ کوئی اور چیز آدمی کے لیے جنت کی قیمت نہیں بن سکتی۔

85

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانا لکھا جا چکا ہے، یا جہنم میں یا جنت میں۔ لوگوں نے کہا کہ اے خدا کے رسول، کیا ہم اپنے لکھے ہوئے پر بھروسہ کر لیں اور عمل کرنا چھوڑ دیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ عمل کرتے رہو۔ ہر شخص کے لیے اُسی کو آسان کیا جائے گا جس طرف وہ بڑھے گا۔ چنانچہ جو شخص حق کا متلاشی ہو اس کو حق کے راستہ کی توفیق دی جاتی ہے۔ اور جو آدمی اہل شقاوت میں سے ہو تو اس کے لیے ضلالت کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے قرآن کی سورہ اللیل سے یہ آیتیں (5-10) تلاوت فرمائی— پس جس نے مال خرچ کیا اور تقوی کا طریقہ اختیار کیا۔ اور اس نے بھلائی کو سچ مانا۔ تو اس کو ہم آسان راستہ کے لیے سہولت دیں گے۔ اور جس

نے بخل کیا اور بے پروا رہا۔ اور بھلائی کو جھٹلایا۔ تو ہم اس کو مشکل راستہ کے لیے سہولت دیں گے (متفق علیہ: صحیح البخاری، حدیث نمبر 1362؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر 2039)۔

''آسان راستہ'' یعنی فطری راستہ یا جنت کا راستہ۔ ''مشکل راستہ'' یعنی ابدی ناکامی کا راستہ۔ قرآن کی سورہ اللیل کی مذکورہ آیتوں کی روشنی میں اس حدیث کی تشریح کی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جنت یا جہنم کسی کو اتفاقی اسباب سے نہیں ملتی۔ جس آدمی کے اندر سعادت کی چنگاری ہو، یعنی جو سچائی کا متلاشی ہو، اس کو اللہ تعالی قبولیت دے کر اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔ اور جس کے اندر شقاوت کا مرض ہو اس کو ایسے راستے کی طرف ڈھیل دے دی جاتی ہے جو جہنم کی طرف جانے والا ہو۔

(بشکریہ ماہنامہ الرسالہ)

محمد مبشر نذیر

سلسلۂ سوال و جواب

اصولی اور فروعی مسائل میں کیا فرق ہے؟

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ؛ اصولی اور فروعی مسائل کیا ہیں؟ اور ان کی کیا اہمیت ہے؟ ایک عام آدمی اصولی اور فروعی مسائل میں کس طرح فرق کر سکتا ہے؟

جواب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ؛ آپ نے دلچسپ سوال ارشاد فرمایا ہے۔ اصولی احکامات وہ ہیں جو قرآن مجید میں موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ہی سنتِ متواتر میں بھی اس پر عمل نظر آرہا ہو۔ اس میں پوری امت مسلمہ میں کسی ٹائم میں بھی اختلاف نہیں رہا ہو اور سارے فرقے بھی اس پر عمل کرتے ہوں۔ اس کی مثال آپ نماز، روزہ، زکوۃ، حج، قربانی کو دیکھیے کہ وہ پوری امت ہمیشہ عمل کرتی رہی اور قرآن مجید میں بھی ان کے احکام ہیں۔

فروعی مسائل تب پیدا ہوتے ہیں جب انسان کا ذہن کام کرتا ہے۔ کسی انسان کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے تو وہ پھر اپنے علماء سے سوال پوچھتا ہے۔ عالم بھی پھر اپنے ذہن سے جواب دیتا ہے۔ اس میں اختلاف پیدا ہوتا ہے لیکن سارے مخلص علماء و فقہاء واضح بھی کر دیتے ہیں کہ یہ ہمارا خیال ہے۔ اس میں آپ اگر مطمئن نہیں ہیں تو کسی اور عالم سے پوچھ لیجیے۔ اس کی مثالیں آپ کو امام مالک، امام جعفر بن صادق، امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہم ہیں، وہ ایسے ہی ارشاد فرمایا کرتے تھے اور ان کی کتابوں میں بھی یہ موجود ہے۔

فروعی مسائل میں صحیح رویہ یہی ہے جو ان بڑے فقہاء کے ارشادات ہیں۔ لیکن ہوا یہی کہ ان پانچوں بڑے فقہاء کے نام پر "اسکول آف تھاٹ" پیدا ہوئے اور پھر فروعی مسائل میں بادشاہوں کے سامنے مناظرے ہونے لگے تاکہ بادشاہ سے فنڈ ملے۔ تب جا کر آپس میں فرقہ واریت ہوتی رہی اور اس کا مقصد سیاسی عہدہ اور معاش حاصل کرنا تھا۔

عام آدمی کے لیے یہی کافی ہے کہ اصول تک ہی محدود رہیں اور فروعی مسائل میں خود ہی سوچ لیا کریں۔ اسی بنیاد پر میں نے یہ کاوش کی ہے کہ فقہ پر کچھ کتابیں لکھ دی ہیں۔ اس میں صرف اور صرف پہلی کتاب FQ01 ہی عوام کے لیے ہے۔ وہی پڑھ لیں یا اساتذہ انہیں پڑھا دیں تو ان کے لیے کافی ہے کہ وہ جنت میں پہنچ جائیں گے انشاء اللہ۔

پھر جس میں عالم بننے کا ذوق ہے تو ان کی خدمت کے لیے فروعی مسائل کی ماڈرن ٹائم کی مثالیں اگلی کتابوں FQ02-FQ06 تک حاضر خدمت ہیں۔ عام آدمی کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔ جب بھی کوئی فروعی سوال پیدا ہو تو وہ کسی بھی عالم سے پوچھ لیں۔ اگر مطمئن ہوں تو عمل کریں ورنہ پھر دوسرے عالم سے پوچھ لیں۔ پھر بھی مطمئن نہ ہوں تو تیسرے سے پوچھ لیں اور جس پر مطمئن ہو تو اس پر عمل کریں۔

فروعی مسائل پر ہی آپس میں بحثیں اور مناظرے ہیں۔ عام آدمی کو پڑھنے سننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ان سے بچیں اور صرف مخلص عالم سے ہی پوچھ لیا کریں اور عمل کریں۔ فروعی مسائل وہی ہیں جن میں اجتہاد موجود ہوتا ہے۔ اس کی مثال جیسے رفع یدین، داڑھی، بینکنگ، تین طلاق وغیرہ کے مشہور اجتہادات کی بحثیں ہیں۔

بلی، کتے اور چڑیوں کی خرید و فروخت کے متعلق سوالات

سوال: کیا بلی اور کتے کی خرید و فروخت کا کاروبار کیا جاسکتا ہے؟

جواب: دین میں کوئی پابندی نہیں ہے۔ اس کے لیے آپ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح احادیث پڑھ لیجیے تو کوئی بھی جواب موجود نہیں ہے۔ اس لیے یہ جائز ہے۔

سوال: کیا چڑیا اور طوطوں کو پنجروں میں بند کیا جاسکتا ہے اور ان کا کاروبار کیا جاسکتا ہے؟

جواب: کاروبار میں تو کوئی پابندی نہیں ہے۔ چڑیا، طوطوں اور دیگر پرندوں پر کوئی ظلم نہیں ہونا چاہیے۔ کسی بڑے کمرے میں بند کریں تاکہ وہ نیچرل طریقے سے اپنی ہوا بھی لیں اور اڑ بھی سکیں۔ پنجرا ہو تو پھر اتنا بڑا ہونا چاہیے کہ وہ اڑ سکیں۔ اس کے لیے آپ یہی سوچ لیجیے کہ اگر ہمیں پکڑا جائے تو کتنی بڑی جگہ میں ہم سکون سے رہ سکتے ہیں۔ اسی طرح پرندوں پر بھی کھلی جگہ رکھنی چاہیے۔

جو اس دنیا میں اندھا ہے کیا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی ہوگا؟

سوال: سورۃ طہ میں اللہ فرماتا ہے: "من کان فی ھذہ الدنیا اعمی فھو فی الآخرۃ اعمی و اضل سبیلا" اس آیت کا مفہوم کیا ہے؟

جواب: اس کا ترجمہ پڑھ لیجیے۔

وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا. (۷۲)

اِس کے برخلاف جو اِس دنیا میں اندھے (تقلید کرتے) بنے رہے، وہ آخرت میں بھی اندھے اور راستے سے بہت دور پڑے ہوئے ہوں گے۔ (سورۃ بنی اسرائیل 17)

یہاں پر اندھا مجازی معنی میں ہے۔ یعنی انسان دنیا میں جسمانی اندھا تو نہیں ہوتا ہے لیکن وہ ہدایت کو ہمیشہ کے لیے بلیک لسٹ کر دیتا ہے۔ پھر وہ اپنے لیڈرز کی اندھی تقلید کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں، پھر آخرت میں ان کی سزا یہی ہوگی کہ وہ پھر اپنے مرشدوں کے ساتھ جہنم میں اسی سزا میں پہنچیں گے۔

جادو اور جادوگروں کے متعلق سوالات

سوال: کیا جادو کا شکار انسان جادو کے اثر سے جو گناہ کرتا ہے، تو کیا اس کے ان برے اعمال کی بھی اللہ کے ہاں پکڑ ہو گی؟

جواب: یہ گناہ کبیرہ ہے بلکہ یہ کفر کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور بہت بڑی سزا ہو گی۔ اس کا جواب آپ قرآن مجید میں پڑھ سکتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر آپ کا سوال ہے کہ حکومت کو بھی اس پر قانون سازی کر دینی چاہیے اور جادوگروں پر پابندیاں لگا دینی چاہییں۔ قرآن مجید میں بنی اسرائیل کی یہ حرکت پر ذکر ہے۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ. (۱۰۱) وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ ۖ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۚ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ. (۱۰۲)

جب اللہ کی طرف سے ایک رسول اُن پیشین گوئیوں کے مطابق اِن کے پاس آ گئے ہیں جو اِن کے ہاں (پیش گوئیاں تورات میں) موجود ہیں تو یہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی، اِن میں سے ایک گروہ نے اللہ کی اِس کتاب کو اِس طرح اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا، گویا وہ اِسے جانتے ہی نہیں۔ (رسول کو نقصان پہنچانے کے لیے) اُس چیز کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان کی حکومت کے نام پر شیاطین پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ (یہ اُسے سلیمان کی طرف منسوب کرتے ہیں)، حالانکہ سلیمان نے کبھی کفر نہیں کیا، بلکہ اِس طرح کے شیطانوں نے کفر کیا۔ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ اور اُس چیز (نفسیاتی علوم Physiological Science) کے پیچھے لگ گئے جو بابل (عراق) میں دو فرشتوں، ہاروت و ماروت پر اتاری گئی تھی، حالانکہ وہ دونوں اُس وقت تک کسی کو کچھ نہ سکھاتے تھے، جب تک اُسے بتا نہ دیتے کہ ہم تو صرف ایک آزمائش ہیں، اِس لیے آپ اِس کفر میں نہ پڑیں۔ پھر بھی یہ اُن سے وہ علم سیکھتے تھے جس سے میاں اور بیوی میں جدائی ڈال دیں، اور حقیقت یہ تھی کہ اللہ تعالی کی اجازت کے بغیر یہ اُس سے کسی کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکتے تھے۔ (یہ اِس بات سے واقف تھے) اور اِس کے باوجود وہ چیزیں سیکھتے تھے جو انہیں کوئی نفع نہیں دیتی تھیں، بلکہ نقصان پہنچاتی تھیں، حالانکہ یہ جانتے تھے کہ جو اِن چیزوں کا خریدار ہے، اُس کے لیے پھر آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ کیا ہی بری ہے وہ چیز جس کے بدلے میں انہوں نے اپنی جانیں بیچ دیں۔ اے کاش، یہ جانتے۔ (سورۃ البقرۃ 2)

شرعی پردے اور جوائنٹ فیملی سسٹم کے متعلق سوالات

سوال: شرعی پردہ سے کیا مراد ہے اور اس کی کیا حدود و قیود ہیں؟

جواب: اس کا جواب اللہ تعالی نے قرآن مجید کی سورۃ النور میں دے دیا ہے۔ اس کی بنیاد پر آپ خود حدود و قیود طے کر سکتے ہیں۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ. (٣٠) وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۖ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ ۚ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ. (٣١)

(اے رسول!) اپنے ماننے والوں کو ہدایت کر دیجیے کہ (اِن گھروں میں خواتین ہوں تو) اپنی نگاہیں بچا کر رکھیں (جیسے شریف انسان کی نگاہ ہوتی ہے) اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ اُن کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ جو کچھ وہ کرتے ہیں، اللہ تعالی اُس سے خوب واقف ہے۔

اہل ایمان خواتین کو ہدایت کر دیجیے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں بچا کر رکھیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (مثلاً فیشن) کی چیزیں نہ کھولیں، سوائے اس کہ وہ اشیا جو اُن میں سے کھلی ہی ہوتی ہیں اور اِس کے لیے اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں۔ اپنی زینت کی چیزیں نہ کھولیں، سوائے ان افراد کے:

1. اپنے شوہروں کے سامنے
2. یا اپنے باپ، سسر
3. بیٹے یا سوتیلے بیٹے یا بھائی
4. بھتیجے یا بھانجے
5. اپنی میل جول کی خواتین
6. اپنے غلام یا اُن ملازم مردوں کے سامنے جو خواتین کی خواہش نہیں رکھتے
7. یا اُن بچوں کے سامنے جو خواتین کی پردے کی چیزوں سے ابھی واقف نہیں ہوئے۔

اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلیں کہ اُن کے چھپے ہوئے فیشن معلوم ہو جائیں۔ اہل ایمان! (اب تک کی غلطیوں پر) سب مل کر اللہ سے رجوع کرتے رہیں تاکہ آپ فلاح پا سکیں۔ (سورۃ النور 24)

اس میں جو سوال پیدا ہوئے تو اس کا جواب بھی اللہ تعالی نے دے دیا ہے۔

وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ. (۵۹) وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ ۖ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَهُنَّ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ. (۶۰) لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَلَا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَالَاتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَفَاتِحَهُ أَوْ صَدِيقِكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا ۚ فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ. (۶۱)

آپ میں جو بچے ہیں، وہ جب بالغ ہو جائیں تو اُسی طرح اجازت لے کر آئیں، جس طرح اُن کے اگلے اجازت لیتے رہے ہیں۔ اللہ تعالی آپ کے لیے اِسی طرح اپنی آیات شریعت کی وضاحت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالی علم اور حکمت جاننے والا ہے۔

بڑی بوڑھی خواتین جو اب نکاح کی امید نہیں رکھتی ہیں، وہ اگر اپنے دوپٹے گریبانوں سے اتار بھی دیں تو اُن پر کوئی گناہ نہیں ہے، بشرطیکہ فیشن کی نمایش کرنے والی نہ ہوں۔ تاہم وہ بھی احتیاط کریں تو اُن کے لیے بہتر ہے اور اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔

(اللہ تعالی اِن ہدایات سے آپ کے لیے کوئی تنگی پیدا نہیں کرنا چاہتا، اِس لیے) نہ اندھے کے لیے کوئی حرج ہے، نہ لنگڑے، نہ مریض اور نہ خود آپ کے لیے کہ آپ اپنے گھروں سے یا اپنے باپ دادا، اپنی ماؤں، اپنے بھائیوں، یا اپنی بہنوں، اپنے چچاؤں، اپنی پھوپھیوں، اپنے ماموؤں، اپنی خالاؤں، اپنے زیر اثر (ملازمین) یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کھائیں پئیں۔

آپ پر کوئی گناہ نہیں، چاہے (مرد و خواتین) اکٹھے بیٹھ کر کھائیں یا الگ الگ۔ البتہ، جب گھروں میں داخل ہوں تو اپنے لوگوں کو سلام ضرور کر لیں کیونکہ (یہ سلام تو) اللہ تعالی کی طرف سے مقرر کی ہوئی ایک بابرکت اور پاکیزہ دعا ہے۔ اللہ تعالی آپ کے لیے اِسی طرح اپنی آیات کی وضاحت کرتا ہے تاکہ آپ عقل سے کام لے سکیں۔ (سورۃ النور)

ہمارے ہاں انہی آیات کی بنیاد پر انڈیا کے کلچر میں علماء نے بہت سی ضرورت سے زیادہ پابندیاں لگا دی ہیں۔ یہ نامعقول رویہ ہے۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ جب مسلمان انڈیا میں داخل ہوئے تو خواتین کی سکیورٹی کے لیے ایک ٹائم میں سخت پابندیاں لگا دی

تھیں، لیکن جب حالات نارمل ہو گئے تو انہوں نے وہی سخت پابندیوں کو جاری رکھا۔ یہ نہیں کرنا چاہیے تھا کہ جب حملوں کا چانس زیادہ ہو تو پھر اپنے بچوں پر زیادہ پابندیاں لگا دیتے ہیں لیکن جب حالات نارمل ہو جائیں تو سختیوں کو چھوڑ دینا چاہیے۔

سوال: کیا کتے کی طرح بھیڑیا گھر میں رکھا جا سکتا ہے؟

جواب: کتے کو اپنی سکیورٹی کے طور پر گھر میں رکھا جاتا ہے تاکہ چوری سے بچ سکیں۔ بھیڑیا بھی گھر میں اس صورت میں رکھ سکتے ہیں کہ اس کی اتنی تربیت ہو کہ وہ باہر نکل کر انسانوں پر حملہ نہ کریں۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ بھیڑیا گھر سے بھاگ کر باہر لوگوں کو زخمی کر سکتا ہے، اس لیے اس کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ کتوں کی تربیت تو عام ہے لیکن بھیڑیوں کی تربیت ایسی نہیں ہے۔

سوال: اسلام میں جوائنٹ فیملی کا کیا تصور ہے؟ کون سے شرعی تقاضے ہوں تو بندے کو الگ گھر بسا لینا چاہئے؟

جواب: جوائنٹ فیملی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ انڈین کلچر ہے بلکہ کچھ دیگر ممالک میں بھی قبیلوں میں جوائنٹ فیملی کا سلسلہ رہا ہے۔ ایک ہی گھر میں بہت سے بھائی بھابیاں اور ان کے بچے بھی ایک ہی جگہ ہوتے اور پھر زندگی گزارتے تھے۔ اس وقت گزارا چل جاتا تھا، کیونکہ حویلی بہت بڑی ہوتی تھی اور اس میں زندگی گزر جاتی تھی۔

لیکن جب انسانوں نے شہروں میں رہنا شروع کیا تو چھوٹے گھر بننا شروع ہوئے۔ ان میں جوائنٹ فیملی ممکن نہ تھی۔ بہت سے لوگوں نے پھر بھی وہی پرانی کوشش کی، تو اس کے نتیجے میں خواتین پر بہت پریشر بن گیا۔ پھر چھوٹے گھر میں جیٹھانی اور دیورانی کی آپس میں جنگیں جاری رہیں۔ اس میں پھر ان کے بچوں کی آپس میں لڑائیاں رہیں رزلٹ کے طور پر کزن آپس میں ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ اس کے ساتھ ساس بہو، بھابی اور نند کی لڑائیاں بھی جاری رہیں۔

عرب کلچر میں اس کا حل انہوں نے کر دیا ہے۔ وہ ہر خاتون کے لیے الگ گھر بنا دیتے ہیں، اس میں پھر وہ سکون سے رہتی ہیں اور آپس میں جنگیں بھی نہیں ہوتی ہیں۔ کبھی کبھار ایک دوسرے سے مل لیتی ہیں اور اچھا تعلق رہتا ہے۔ میں نے تو یہ بھی دیکھا ہے کہ ایک مرد نے دو یا تین شادیاں کر لی ہیں تو قانونی طور پر ہر بیگم کا گھر الگ ہوتا ہے۔ اس لیے میں سوکنوں میں بھی لڑائیاں نہیں ہوتی ہیں۔

جدہ میں ہماری بلڈنگ کے مالک نے تین شادیاں کی تھیں۔ انہوں نے کئی بلڈنگ بنالی تھیں اور ہر بلڈنگ میں ایک فلیٹ ایک بیگم کا تھا۔ دوسری بیگم دوسری بلڈنگ کے فلیٹ میں تھیں۔ ہم سب پڑوسی تھے اور کئی سالوں میں سوکنوں کی لڑائی کبھی نہیں سنی تھی۔ موجودہ زمانے میں یہی ممکن ہے اور جوائنٹ فیملی سے ہمیں بچنا چاہیے۔ ہر بھائی بہن کو الگ الگ گھر میں رہنا چاہیے اور کبھی کبھار مل کر اچھا تعلق قائم رکھنا چاہیے۔ اگلی نسل میں بھی اچھا تعلق ہی قائم رہے گا ان شاء اللہ۔

والسلام

محمد مبشر نذیر

اسلامی کتب کے مطالعے اور دینی کورسز کے لئے وزٹ کیجئے

www.mubashirnazir.org

تعلیمی و تربیتی کورسز کے ویب لنکس

علوم القرآن کا دور جدید اردو زبان میں مطالعہ۔۔۔ترجمہ اور تفسیر

https://mubashirnazir.org/2022/11/16/%d8%b9%d9%84%d9%88%d9%85-%d8%a7%d9%84%d9%82%d8%b1%d8%a2%d9%86-%d9%be%d8%b1%d9%88%da%af%d8%b1%d8%a7%d9%85/

علوم الحدیث۔۔۔ریسرچ

https://mubashirnazir.org/category/islamic-studies/islamic-studies-urdu/%d8%b9%d9%84%d9%88%d9%85-%d8%a7%d9%84%d8%ad%d8%af%db%8c%d8%ab-%d8%a7%d8%b1%d8%af%d9%88-%d9%84%db%8c%da%a9%da%86%d8%b1%d8%b2/

دور جدید میں فقہ سے متعلق سوالات کا جواب لیکچرز

https://mubashirnazir.org/category/lectures/%d8%a7%d8%b1%d8%af%d9%88-%d8%a7%d8%b3%d9%84%d8%a7%d9%85%db%8c-%d9%84%db%8c%da%a9%da%86%d8%b1%d8%b2/%d8%af%d9%88%d8%b1-%d8%ac%d8%af%db%8c%d8%af-%d9%85%db%8c%da%ba-%d9%81%d9%82%db%81-%d8%b3%db%92-%d9%85%d8%aa%d8%b9%d9%84%d9%82-%d8%b3%d9%88%d8%a7%d9%84%d8%a7%d8%aa-%da%a9%d8%a7-%d8%ac%d9%88%d8%a7%d8%a8/

اسلام میں جسمانی اور ذہنی غلامی کے انسداد کی تاریخ

https://mubashirnazir.org/2022/11/28/%d8%a7%d8%b3%d9%84%d8%a7%d9%85-%d9%85%db%8c%da%ba-%d8%ac%d8%b3%d9%85%d8%a7%d9%86%db%8c-%d8%a7%d9%88%d8%b1-%d8%b0%db%81%d9%86%db%8c-%d8%ba%d9%84%d8%a7%d9%85%db%8c-%da%a9%db%92-%d8%a7%d9%86%d8%b3%d8%af/